اللہ

نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ماہنامہ انوار العلوم

لاہور

فروری 1953ء

سرپرست: حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسن صاحب مدت فیوضہم

ز متوسلین حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

نگران: حضرت مولانا مولوی حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدت فیوضہم

شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ

مدیر: احقر محمد نجم الحسن تھانوی غفرلہٗ

فروری ۱۹

اللہ

نور السمٰوٰت والارض

ماہنامہ
انوار العلوم
لاہور

سرپرست: حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسن صاحب مدت فیوضھم
از متوسلین حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

نگران: حضرت مولانا مولوی حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدت فیوضھم
شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ

مدیر: احقر محمد نجم الحسن تھانوی غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ اشرفیہ لاہور کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ تحفۂ اہل فہوم
آنکہ دارد نام ''انوارالعلوم''

ماہنامہ انوارالعلوم
لاہور

سالکان راہ رحمان را نجوم
رہروان راہ شیطان را رجوم

قیمت فی پرچہ		قیمت سالانہ		ممالک غیر
نو آنے (پاکستانی) بارہ آنے (ہندوستانی)			چھ روپے (پاکستانی) نو روپے (ہندوستانی) چار روپے (طلبا کیلئے)	۲۰ شلنگ

جلد ۲ | بابت ماہ جمادی الاولی ۱۳۷۲ھ مطابق فروری ۱۹۵۳ء | نمبر ۱۱

فہرست مضامین

نمبر	مضمون		صاحب مضمون	صفحہ
۱	عرض حال	...	مدیر ...	۱
۲	معارف القرآن	...	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مد ظلہم ...	۵
۳	ملفوظات	...	حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مد ظلہم ...	۲۱
۴	کیا علماء نے اسلام کی غلط ترجمانی کی ؟		حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس سرہ ...	۲۹
۵	نور ایمان	...	حضرت مولانا محمد بدر عالم صاحب مد ظلہم ...	۳۵
۶	معجزات (نظم)	...	حضرت مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی	۵۵
۷	قواعد و ضوابط رسالہ	...	مدیر ...	۵۶

نوٹ: ترسیل زر و مراسلت کا پتہ مدیر ''انوارالعلوم'' جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور (پاکستان)

عرض حال

(از مدیر)

حامداً و مصلیاً۔ ماہنامہ "انوار العلوم" جن مقاصد کے پیش نظر منصۂ شہود پر آیا تھا، بحمد اللہ اُن مقاصد کی پابندی کیساتھ اپنا گیارھواں شمارہ پیش کر رہا ہے۔ جن حضرات نے اس کو بنظر پسندیدگی دیکھا اور اس کے متعلق اظہار خیال فرماتے ہوئے اس کو سراہا، اور جن حضرات نے اس کی خریداری قبول فرمائی ادارہ اُن کا تہہ دل سے ممنون ہے۔ اِن حضرات نے محض ایک رسالہ کی خریداری ہی قبول نہیں فرمائی بلکہ درحقیقت ایک اہم تبلیغی کام کی حمایت اور ہمت افزائی فرمائی۔

اور ایسے زمانہ میں، جبکہ دین کا نام لینا بھی دیوانگی کے مُرادف سمجھا جاتا ہو اور شعائرِ اسلام ایک ایک کے مٹتے چلے جا رہے ہوں، ترویجِ دین کی کوئی ادنیٰ خدمت کرنا بھی، جس اجرِ عظیم اور فضیلت علیا کا باعث ہے اسکو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہم کی زبان فیض ترجمان سے سنئے، جنھوں نے اپنے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے۔

"سب سے بڑی نیکی شریعت اسلام کی ترویج، اور شریعت کے کسی حکم کا زندہ کرنا ہے خصوصاً ایسے زمانہ میں جبکہ شعائرِ اسلام مٹتے چلے جا رہے ہوں، دین کے ایک مسئلہ کو رواج دینا اور اس کی تبلیغ کرنا، کروڑہا روپے راہِ خدا میں صرف کرنے سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اور مسائل شرعیہ کو رواج دینے کی نیت سے ایک کوڑی خرچ کرنا، لاکھوں روپے خرچ کرنے کے برابر ہے۔ جو اس کے علاوہ کسی دوسری نیت سے خرچ کئے جائیں"

(مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رح دفتر اول حصہ دوم ص۲)

اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حضرت مجدد صاحب رح نے آگے اس کو مدلل فرمایا ہے۔ اسی سلسلے میں حدیث شریف کے وہ الفاظ بھی یاد دلانا ضروری ہیں کہ

"نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک وقت ایسا آجائیگا کہ فتنے بڑھ جائیں گے اور دین کا سنبھالنا مشکل ہو جائیگا اس وقت جو شخص نیک عمل کریگا، اسکو پچاس نیک عمل کرنے والوں کا اجر ملیگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اُن میں کے پچاس لوگوں کا، یا ہم میں سے پچاس کا؟ ارشاد فرمایا کہ تم میں سے پچاس کا"

غرض جن حضرات نے اس رسالے کی اشاعت میں سعی فرمائی ہے، اُن کی یہ خدمت کوئی معمولی

خدمت نہیں بلکہ بہت بیش بہا اور گرانقدر ہے۔ حق تعالیٰ ایسے تمام حضرات کو اجر جزیل اور جزائے خیر مرحمت فرمائے آمین۔

ابتدا میں جن حضرات نے اس مُبارک ماہنامہ کے اجراء کا مشورہ دیا تھا، انسے جامعہ کی طرف سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ اس کے واسطے سرمایہ کہاں سے آئے؟ اُن حضرات کے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلا نمبر ہمارے خرچ سے شائع کر دیا جائے، اُس کے بعد توقع ہے کہ خریدار بنتے رہیں گے اور خرچ پورا ہوتا رہے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا اور چند ہی ماہ کے بعد رسالہ کا بار جامعہ پر پڑنے لگا۔

چنانچہ اب تک اس کی وجہ سے جامعہ بہت زیر بار، اور رسالہ مقروض ہو گیا ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ جو رقم جامعہ نے رسالہ کو قرض دی ہے اسکو آئندہ رسالہ کے فنڈ سے ادا کر دیا جائے۔ کیونکہ بہر حال اب جامعہ اس زیر باری کو مزید برداشت نہ کر سکے گا۔

یہاں پر یہ گذارش کر دینا نہایت ہی ضروری ہے کہ اس سے قبل رسالے کے صفحات میں مالی مشکلات کے پیش نظر اس رسالہ کی حلقۂ خریداری کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنیکی جو اپیل حضرات ناظرین سے کیجاتی رہی، اس پر بعض مخلص اور ہمدرد حضرات نے بعض مختلف مشوروں سے ادارہ کو ممنون فرمایا، چنانچہ جن مشوروں پر موجودہ صورت میں عمل ممکن ہو سکا اُن پر عمل بھی کیا گیا۔ مگر بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جب تک باقاعدہ مشاہرہ پر کسی صاحب کی خدمات رسالہ کیلئے نہ حاصل کی جائیں، اُن پر عمل ممکن نہیں مثلاً تمام مضامین میں مشکل اور غیر مانوس الفاظ کا ترجمہ کرنا۔ ہر جگہ عربی اور فارسی کا ترجمہ کر دینا وغیرہ وغیرہ اور یہ موجودہ وقت میں ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

اب اس صورت حال میں اُن حضرات کی توجہ مبذول کرانے کی ضرورت ہے جو دین کا درد رکھتے ہیں اور اس دورِ پُرفتن میں اس خالص تبلیغی ماہنامہ کے اجراء اور بقا کو ضروری خیال فرماتے ہیں۔ اُن سے گذارش ہے کہ اس کی توسیع اشاعت میں سعی بلیغ فرمائیں۔ اور اگر اوسطاً ہر خریدار کم از کم دو خریدار مہیا کرنے کی سعی فرمائیں تو بہت کچھ مشکلات میں کمی ہو سکتی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ گذارش صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی بلکہ ناظرین کرام اس پر پوری توجہ سے ممنون فرمائیں گے!

رسالہ کا پہلا سال مارچ ۵۳ء یعنی اگلے ماہ میں ختم ہو رہا ہے، جن حضرات کا سالانہ چندہ ماہ مذکور میں ختم ہو جاویگا اُن سے درخواست ہے کہ وہ آئندہ بھی اس رسالہ کی خریداری کو

جاری رکھیں - اور آئندہ سال کا چندہ جلد بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں تاکہ ایک تو وی پی کے پانچ آنہ کے خرچ کی کفایت ہو - دوسرے چونکہ دفتر میں کوئی شخص ملازم نہیں، اور وی پی کرنے میں کام بہت بڑھ جاتا ہے، اس کی بھی سہولت ہو - اور منی آرڈر پر اپنا پورا پتہ اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں اُمید ہے کہ سب حضرات اس پر ضرور عمل فرمائیں گے !

جن حضرات کا چندہ ماہ مارچ میں منی آرڈر سے وصول نہ ہوگا، اُن کی خدمت میں اپریل ۵۳ء کا رسالہ چھ روپے پانچ آنہ کا وی پی ارسال کیا جاوے گا

مزید خریدار بنانے کے لئے اس مرتبہ پھر جملہ حضرات کی خدمت میں ایک ایک کارڈ ارسال کیا جا رہا ہے جس پر ٹکٹ لگانے کی ضرورت نہیں - صرف خریداروں کے پتے لکھ کر بھیج دیجئے - یہاں سے انکو وی پی کردیا جائے گا

اس سے قبل جو کارڈ بھیجے گئے تھے ان سے تقریباً پچاس خریدار مہیا ہوئے - جن حضرات نے یہ سعی فرمائی وہ مزید شکریے کے مستحق ہیں اور ادارہ اُن کا بہت ممنون ہے - حق تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے -

جن حضرات کا چندہ ماہ مارچ ۵۳ء میں ختم ہو جائیگا اُن کے خریداری نمبر حسب ذیل ہیں

از (۱) تا (۳۹) و از (۴۱) تا (۵۷)

و (۶۹) و از (۷۱) تا (۱۱۷)

و از (۱۲۰) تا (۱۲۹) و از (۱۳۱) تا (۱۸۹)

و از (۱۹۱) تا (۱۹۳) و (۲۰۱)

و (۲۰۵) و (۲۰۹)

و از (۲۱۴) تا (۲۲۶) و (۲۲۸)

و (۲۳۲) و (۲۴۲)

و (۲۴۷) و از (۲۵۸) تا (۲۶۳)

و از (۲۶۴) تا (۲۶۸) و (۲۸۲)

و (۲۸۴) و (۲۸۵)
و (۲۸۷) و (۲۹۱)
و (۳۰۴) و (۳۰۹)
و (۳۱۷) و (۳۳۲)
و (۳۴۱)

اسلام

اور

عقلیات

از افاضات حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہم

یہ کتاب حضرت رح کے ایک مختصر رسالہ "الانتباہات المفیدہ" کی سلیس شرح ہے جو "حل الانتباہات" کے نام سے مشہور ہے

اب جدید طرز پر نہایت اعلیٰ کتابت وطباعت اور رنگین گرد پوش کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

اسلام پر جو جدید تعلیم یافتہ حضرات کو شبہات ہیں اُن کا جواب۔

ضخامت تقریباً (۶۰۰) صفحات

قیمت چھ روپے

محصول ڈاک بذمہ خریدار۔

ملنے کا پتہ

دفتر ماہنامہ انوار العلوم جامعہ اشرفیہ لاہور

قسط یازدہم

معارف القرآن

(از حضرت مولانا حافظ محمد ادریس صاحب شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ)

أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ

اب کیا تم مسلمان توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور ایک لوگ تھے اُن میں کہ

يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ

سنتے کلام اللہ کا پھر اس کو بدل ڈالتے بوجھ کر اور ان کو

يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا

معلوم ہے اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب

خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ

اکیلے ہوتے ہیں ایک دوسرے پاس کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو اُن سے جو کھولا ہے اللہ نے

عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

تم پر کہ جھٹلادیں تم کو اُس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم کو عقل نہیں۔

شناعت ششم

متضمن بدفع کلفت ناصحین مشفقین از انتظار و طمع ایمان معاندین

گذشتہ آیات میں یہود کی قساوت کو بیان فرمایا۔ اب اُن مسلمانوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ جو ازراہ شفقت انکو وعظ و نصیحت کرتے رہتے تھے اور ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ یہ کسیطرح ایمان لے آئیں اللہ تعالیٰ نے انکی اُمید قطع کرنیکے لئے فرمایا کہ انکی قساوت انتہا کو پہونچ چکی ہے ان سے ایمان کی طمع مت رکھو۔ اَفَتَطْمَعُونَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ اے مسلمانو کیا تم بنی اسرائیل کی اس

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝

کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو چھپاتے ہیں اور جو کھولتے ہیں

شدید قساوت کے بعد بھی توقع رکھتے ہو کہ وہ محض تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں۔ حالانکہ ان میں کا

ایک فرقہ بلاواسطہ اللہ کے کلام کو سنتا تھا اور پھر خوب سمجھ لینے کے بعد اس میں تحریف و تبدیل کر ڈالتا تھا اور وہ خوب جانتے تھے کہ ہم اللہ کے کلام میں تحریف کر رہے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ کلام خداوندی میں تحریف کرنا کس قدر جرم عظیم ہے۔ اس فریق سے وہ ستر لوگ مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کیساتھ کوہ طور پر گئے اور بلاواسطہ اللہ کے کلام اور اسکے نواہی اور احکام کو سنا۔ جب واپس آئے تو یہ کہدیا کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں یہ بھی فرما دیا تھا کہ اگر ہو سکے تو کرنا اور نہ ہو سکے تو نہ کرنا۔ کلام الٰہی میں کچھ گھٹانا یا اپنی جانب سے کچھ اضافہ کر دینا اسی کا نام تحریف ہے پس ان لوگوں نے کلام الٰہی میں اپنی طرف سے حروف اور الفاظ کا اضافہ کیا اور ایجاب اور لزوم کو تخییر سے بدل ڈالا

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ سے توریت مراد ہے اور یَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ سے بواسطہ انبیاء کرام کے سننا مراد ہے۔ اور تحریف سے آیات توریت میں لفظی اور معنوی تحریف کرنا مراد ہے۔ مثلاً توریت میں آپ کا حلیہ مبارکہ مذکور تھا اس میں اَبْيَض کے بجائے آدم بنا دیا اور ربعة مائلا الی الطوال کے بجائے طوالا بنا دیا اور بہت سی جگہ تاویل فاسد کر کے معنی میں تحریف کی۔ اور پہلی تفسیر پر يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ سے ستر آدمیوں کا اللہ کے کلام کو بلاواسطہ سننا مراد تھا اور تحریف سے یہ مراد تھی کہ ان ستر آدمیوں نے جب قوم سے جا کر اللہ کا کلام نقل کیا تو اس میں یہ اضافہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ

ان استطعتم ان تفعلوا هذه الاشياء	یعنی یہ چیزیں اگر تم سے ہو سکیں تو کر لینا اور اگر نہ کرو تو
فافعلوا وان لم تفعلوا فلا بأس	کوئی مضائقہ نہیں۔

(ف) جاننا چاہئے کہ توریت میں لفظی تحریف بھی ہوئی ہے اور معنوی تحریف بھی۔ اور یہی علماء محققین کا مسلک ہے۔ اور اصل تحریف تحریف لفظی ہے اسلئے کہ تحریف کے معنے حروف اور الفاظ کے بدل ڈالنے کے ہیں اور تاویل فاسد کر کے معنی کو بدل ڈالنا مجازاً اسکو تحریف کہا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم میں جہاں کہیں توریت کی تحریف کا ذکر آیا ہے اس سے تحریف لفظی ہی مراد ہے کیونکہ تحریف معنوی تو قرآن میں بھی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ اور يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ اور فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًاؕ - اس قسم کی آیتیں صراحۃً تحریف لفظی پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر ابن جریر اور تفسیر درمنثور میں ان آیات کے شان نزول سے صاف ظاہر ہے۔

شناعت ہفتم

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اور جب منافقین یہود مسلمانوں سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تصدیق کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہی رسول اور پیغمبر ہیں جن کی بشارتیں توریت میں مذکور ہیں - اور جب تنہا ایک دوسرے کے پاس ہوتے ہیں تمام مجمع میں ان کے سوا مسلمانوں میں سے کوئی نہیں ہوتا تو پھر علماء یہود جو علانیہ طور پر کافر ہیں وہ اُن منافقین سے یہ کہتے ہیں کہ کیا تم مسلمانوں سے وہ چیزیں کہہ ڈالتے ہو کہ جو اللہ تعالیٰ نے خاص تم پر کھولی ہیں - اور وہ خزائن علمیہ جو توریت اور زبور اور دیگر صحف انبیاء میں مخزون ہیں کہ جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور آپ کی امت کے اوصاف اور آپکے اتباع اور اطاعت کی تاکید اکید مذکور ہے - تم مسلمانوں کو ان خزائن علمیہ کا کیوں پتہ دیتے ہو - اس کا انجام یہ ہوگا کہ اس اقرار اور اعتراف کی وجہ سے مسلمان خدا کے نزدیک تم سے حجت کرینگے اور تمکو ملزم ٹھہرائینگے - کہ باوجود اس اعتراف اور اقرار کے پھر بھی ایمان نہ لائے - کیا تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ

الانسان ماخوذ باقرارہ — یعنی انسان اپنے اقرار میں پکڑا جاتا ہے

یعنی تمہارا زبان سے اقرار کرنا اور پھر نہ ایمان لانا قیامت کے دن بہ زیادہ رسوائی کا باعث ہوگا - مثلاً اگر کوئی شخص زبان سے اقرار یا دستاویز لکھدینے کے بعد حاکم کے سامنے انکار کرے تو زیادہ رسوائی ہے اور اگر حاکم کو معلوم ہو اور گواہ بھی موجود ہوں مگر اس شخص نے اقرار نہ کیا ہو تو حاکم کے سامنے انکار کرنے سے رسوا تو ضرور ہوگا مگر اتنی رسوائی نہ ہوگی جتنی کہ اقرار کے بعد ہوتی - آگے ارشاد فرماتے ہیں -

تحمیق یہود بے بہبود

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ یعنی کیا ان کو یہ گمان ہے کہ اس چھپانے سے اللہ کے نزدیک ان پر کوئی حجت قائم نہ ہوگی - اور کیا ان کی یہ ابلہ کی لکھی ہوئی

دستاویزیں (یعنی توریت اور زبور کی وہ آیتیں جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صریح صریح بشارتیں مذکور ہیں) خداوند ذوالجلال کو قیامت کے دن ہم نہ پہونچ سکینگی۔ کیا انکو معلوم نہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ

اُن تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے کہ جنکو وہ چھپاتے ہیں اور جنکو وہ ظاہر کرتے ہیں جو جلوت میں آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار کرتے ہیں انکو بھی جانتا ہے اور جو خلوت میں اعتراف کرتے ہیں ان کو بھی جانتا ہے۔ خلوت کا اقرار اگرچہ مسلمانوں کی نظر سے مخفی ہے مگر ہماری نظر سے تو مخفی اور پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔ تم نے اگرچہ بندوں کے سامنے اقرار نہ کیا مگر اُس خداوند ذوالجلال کے سامنے تو اقرار کرلیا کہ جو ہر جلوت اور خلوت غیب اور شہادت کا حاضر و ناظر ہے۔ یہ احمق اتنا نہیں سمجھے کہ اصل معاملہ تو خدا کیساتھ ہے جسکے یہاں ظاہر و باطن سِر اور علن جلی اور خفی سب یکساں ہیں۔

تنبیہ

توریت اور انجیل کی تحریف کے متعلق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

کا **رسالہ اعجاز عیسوی** ملاحظہ فرماویں کہ جو اس باب میں بے نظیر ہے

رسالہ موصوفہ میں اس امر کو نہایت بسط و شرح سے ثابت فرمایا ہے کہ توریت اور انجیل میں ہر قسم کی تحریف ہوئی۔ لفظی بھی اور معنوی بھی۔ کمی اور بیشی زیادتی اور نقصان۔ تغییر اور تبدیلی غرض یہ کہ تحریف کی کوئی نوع ایسی نہیں کہ جس سے توریت و انجیل خالی ہو۔

یہ رسالہ اردو زبان میں ہے۔ مولانا موصوف کی دوسری کتاب اظہار الحق جو عربی زبان میں ہے اس میں بھی تحریف توریت و انجیل کی کافی اور شافی تحقیق فرمائی۔ اور بہت سے علماء یہود و نصاریٰ بھی تحریف لفظی کے مقر اور معترف ہیں۔

حضرات اہل علم اس کی مراجعت فرمائیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ

اور ایک ان میں اَن پڑھ ہیں خبر نہیں رکھتے کتاب کی مگر باندھلی اپنی آرزوئیں اور ان پاس نہیں

إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ

مگر اپنے خیال سو خرابی ہے انکو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے

ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ

پھر کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے کہ لیویں اس پر مول تھوڑا

فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝

سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھ کے لکھے سے اور خرابی ہے انکو اپنی کمائی سے

شناعت ہشتم

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝

شناعت نہم

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝ اور بعض ان میں سے ناخواندہ اور ان پڑھ ہیں جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ویسے ہی ہیں۔ اسی وجہ سے ان پڑھ کو اُمّی کہتے ہیں کہ اسکو صرف اُمّ یعنی ماں سے نسبت ہے۔ باپ سے لکھنا اور پڑھنا کچھ نہیں سیکھا۔ کتاب کو جانتے ہی نہیں نہ الفاظ سے واقف اور نہ معنے سے آگاہ۔ سوائے آرزوؤں کے کچھ معلوم نہیں کہ جو تحریف کرنے والوں نے اُن کی خواہش کے مطابق اُن کے دلوں میں بٹھلا دی ہے مثلاً

لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ کہ جنت میں سوائے یہود یا نصاریٰ کے اور کوئی نہ جائیگا اور اگر بالفرض جہنم میں گئے بھی تو لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً یعنی صرف چند روز جہنم میں رہیں گے یہ آرزوئیں ان جاہلوں سے علماء سوء نے ان کے دل خوش کرنے کیلئے دل نشین کر دی ہیں۔ جسپر کوئی دلیل نہیں

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ
اور کہتے ہیں ہم کو آگ نہ لگے گی مگر گنتی کے دن تو کہہ کیا لے چکے ہو

عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى
اللہ کے ہاں سے اقرار تو البتہ خلاف نہ کرے گا اللہ اپنا اقرار یا جوڑتے ہو

اور نہیں ہیں یہ لوگ مگر محض گمان اور خیال کی پیروی کرنے والے۔ خود بھی ان کو اس کا یقین نہیں کہ ہمارے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا اسلئے ان کو بہ نسبت علماء کے کم عذاب ہوگا۔ ان پر عذاب فقط اپنی گمراہی کا ہوگا اور علماء پر اپنے گمراہ ہونے اور دوسروں کے گمراہ کرنے کا بھی عذاب ہوگا جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد ہے۔

پس خرابی اور بربادی ہے اُن لوگوں کے لئے کہ جو کتاب کو خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارا لکھا ہوا اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ خوب جانتے ہیں کہ یہ تحریف ہے۔ نادان اور بے خبر نہیں اسلئے کہ خود اپنے ہاتھ سے لکھکر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے

یہ محض اسلئے کرتے ہیں کہ تاکہ اپنے رؤساء اور عوام سے اس ذریعہ سے کچھ قلیل معاوضہ حاصل کریں

پس ایسے لوگوں کے لئے دو وجہ سے عذاب ہے۔ ایک عذاب اس وجہ سے کہ انکے ہاتھوں نے تحریف کی کتابت کی ہے۔ اور دوسرا عذاب اس وجہ سے کہ اس تحریف کے ذریعہ سے لوگوں سے روپیہ کماتے ہیں۔ اول تو لوگوں کے خوش کرنیکے لئے کتاب الٰہی میں تحریف کی اور پھر چند پیسوں کی طمع میں آخرت کے اجر عظیم کو برباد کیا

شناعت دہم

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور یہود یہ بھی کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمکو ہرگز نہ لگیگی مگر چند روز گنے چنے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم نے اللہ سے اس بارہ میں کوئی عہد لیا ہے کہ تمکو فقط اس قدر مدت عذاب ہوگا۔ اسلئے کہ عذاب کی مدت دلیل عقلی سے معلوم نہیں ہو سکتی اسکے لئے دلیل سمعی چاہئے۔ کہ اللہ اپنے اُس عہد کے ہرگز خلاف نہ کرے گا۔ یا اللہ پر افترا کرتے ہو بے سند باتیں جن کی سند تمکو معلوم نہیں۔ آئندہ آیت میں حق جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہود کا یہ عقیدہ کہ ہم جہنم میں

ع ۹

اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ○ بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتۡ

اللہ پر جو معلوم نہیں رکھتے کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا

بِہٖ خَطِیۡٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمۡ فِیۡھَا

اس کو اس کے گناہ نے۔ سو وہی ہیں لوگ دوزخ کے وہ اسی میں

خٰلِدُوۡنَ ○ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

رہ پڑے اور جو لوگ یقین لائے اور عمل کئے نیک

اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ھُمۡ فِیۡھَا خٰلِدُوۡنَ ○

وہ لوگ ہیں جنت کے وہ اسی میں رہ پڑے

صرف چند روز رہیں گے بالکل غلط ہے جنت میں داخل ہونا اللہ اور پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لاتے اور اعمال صالحہ کرنے پر موقوف ہے چنانچہ فرماتے ہیں بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتۡ بِہٖ خَطِیۡٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمۡ فِیۡھَا خٰلِدُوۡنَ ○ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ھُمۡ فِیۡھَا خٰلِدُوۡنَ ○ کیوں نہیں تم جیسے پیغمبر آخر الزماں سے سرکشی کرنیوالے ضرور جہنم میں جائینگے۔ اسلئے کہ جس شخص نے بھی گناہ کو کمایا اور گناہوں نے اس کا ہر طرف سے احاطہ کر لیا۔ اور کوئی جانب گناہ سے خالی نہیں رہی جدھر دیکھے گناہ ہی گناہ ہے نیکی کا نام و نشان نہیں۔ گناہوں نے ہر طرف سے ایسا گھیرا کہ اب نکلنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔ بس ایسے ہی لوگ دوزخ کے ہمیشہ کے ساتھی ہیں یہ دوزخ سے جدا نہ ہونگے اور دوزخ ان سے جدا نہ ہوگی۔ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے یعنی ابد الآباد تک اسی میں رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کے دل نور ایمان سے منور اور روشن ہوئے اور نیک عمل کئے جس سے اعضاء اور جوارح روشن ہوئے ایسے ہی لوگ جنت کے ساتھی ہیں کہ یہ جنت سے علیحدہ نہ ہونگے اور جنت ان سے علیحدہ نہ ہوگی۔ ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے کبھی جنت سے نہ نکلیں گے۔

ف (۱) احاطہ کی جو تفسیر بیان کی گئی وہ کافر ہی پر صادق آسکتی ہے۔ کافر دولت ایمان سے تہیدست ہونیکی وجہ سے فقیر اور مسکین اور گدائے بے نوا ہے۔ اعمال صالحہ اگر کچھ ہیں تو وہ نہ ایمان لانیکی وجہ سے سب بیکار ہیں۔ کما قال تعالیٰ

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

اور جو شخص ایمان کیساتھ کفر کرے یعنی ایمان کا منکر ہو جاوے تو اس شخص کے تمام اعمال غارت اور برباد ہوئے اور وہ شخص آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا۔

جو شخص ایمان نہیں لایا خواہ وہ کتنے ہی صدقات اور خیرات کرے اُسکے صدقات وخیرات کو اعمال صالحہ نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ ان اعمال کو شیر قالین کی طرح اعمال صالحہ کی ہم شکل اور ہم صورت سمجھنا چاہیئے حقیقۃً اعمال صالحہ نہیں کما قال تعالیٰ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً

اور کافروں کے اعمال سراب کی طرح بے حقیقت ہیں۔ دیکھنے والا ان کو پانی کی طرح اعمال صالحہ سمجھتا ہے اور حقیقت کچھ بھی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس کے پاس ایمان نہیں اُس کے پاس کچھ بھی نہیں۔ گناہوں میں ہر طرف سے گھرا ہوا ہے بخلاف مومن کے کہ وہ کتنا ہی بدکردار کیوں نہ ہو۔ گناہوں میں گھرا ہوا نہیں۔ بالفرض کوئی عمل صالح اس کا معین اور مددگار نہ ہو تو ایمان تو ضرور اس کا نگہبان اور پاسبان بنا ہوا ہے۔ جو شیطان کے قاتلانہ وار کو روکے ہوئے ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں گناہ گھیر لینے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرتا ہے اور شرمندہ نہیں ہوتا۔ آھ اور ظاہر ہے کہ یہ حال کافر ہی کا ہو سکتا ہے۔ مومن کا نہیں ہو سکتا۔

ف (۲) اہل سنت والجماعت کے نزدیک جو فریق ایمان لایا اور اعمال صالحہ بھی کئے اس کا ثواب دائمی اور غیر متناہی ہے اور جو فریق نہ ایمان لایا اور نہ اعمال صالحہ کئے اس کا عذاب دائمی اور غیر متناہی ہے اور جو ایمان لایا مگر اعمال صالحہ نہیں کئے اُسکی جزا ثواب اور عقاب سے مرکب ہے لیکن اول عذاب دینگے اور بعد میں بہشت میں داخل کرینگے۔ بہشت میں داخل کرکے پھر بہشت سے نکالنا اور دوزخ میں ڈالنا خلاف حکمت ہے۔ عزت دینے کے بعد ذلت کے گڑھے میں ڈالنا لطف اور عنایت کے خلاف ہے۔ یہ تین احتمال ہوئے۔ چوتھا احتمال یہ ہے کہ اعمال صالحہ تو ہوں مگر ایمان نہ رکھتا ہو۔ یہ صورت شرعاً محال ہے۔ اسلئے کہ شریعت میں کوئی عمل صالح بدون ایمان کے معتبر نہیں۔ ہر عمل صالح کے لئے ایمان شرط ہے

وَاِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ۔ جب شرط فوت ہوئی تو مشروط بھی فوت ہوا۔

اسی وجہ سے کفار کے صدقات کو صرف صورۃً اعمال صالحہ کہا جا سکتا ہے ورنہ حقیقت میں اعمال صالحہ نہیں کما قال تعالیٰ۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً	کافروں کے اعمال سراب کی مانند ہیں کہ دور سے پیاسا اُن کو پانی گمان کرتا ہے

ف (۳)

ہر شریعت میں یہ قاعدہ رہا ہے کہ کافر مخلد فی النار ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ اور ابد الآباد تک جہنم میں رہے گا۔ اور مومن عاصی چند روز دوزخ میں عذاب پاکر جنت میں داخل کر دیا جائیگا کما قال تعالیٰ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ	بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشینگے کہ اُنکے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جاوے اور اسکے سوا اور جتنے گناہ ہیں جسکے لئے منظور

اور یہود جو یہ روایت کرتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد کیا کہ تمہاری اولاد کو عذاب نہ دونگا مگر تحلۃ للقسم یعنی محض قسم پورا کرنے کے لئے یا یہ فرمایا کہ فقط چند روز کیلئے جہنم میں رہیں گے۔ یہ روایت اگر صحیح ہو۔ تو اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے صلبی بیٹے مراد ہیں کہ جنہوں نے یوسف علیہ السلام سے اپنا قصور معاف کرایا۔ اور بارگاہِ خداوندی میں بہزار عجز و نیاز توبہ و استغفار کی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی۔ یہ تابعین جہنم میں نہیں جائینگے۔ اور اُن کی اولاد میں سے جو چند روز کے لئے جہنم میں جائیگا اس سے مُومن عاصی مراد ہے جیسا کہ تمام شریعتوں کا قاعدہ ہے کہ جو شخص مُومن ہو اور گنہگار ہو اسپر دائمی عذاب نہیں۔

بنی اسرائیل یہ سمجھے کہ یہ حکم ذاتی طور پر ہمارے لئے مخصوص ہے اسلئے لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً کا دعویٰ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ یہ حکم بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جو دین حق کا اتباع کرے اس کا یہی حکم ہے۔ گذشتہ زمانہ میں چونکہ بنی اسرائیل ملت حقہ اور دین حق کے متبع تھے۔ اگرچہ گناہوں اور خطاؤں میں ملوث تھے اسلئے یہ حکم تھا کہ بنی اسرائیل فرعونیوں کی طرح ہمیشہ جہنم میں نہ رہیں گے بلکہ صرف چند روز کے لئے جہنم میں جائیں گے جیسا کہ مُومن عاصی کا حکم ہے اور اب وہ صورت باقی نہیں رہی اس وقت تم دین حق اور نبی برحق کے اتباع سے انحراف کئے ہوئے ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر ہو

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ

اور جب ہم نے لیا اقرار بنی اسرائیل کا بندگی نہ کریو مگر اللہ کی

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ

اور ماں باپ سے سلوک نیک اور قرابت والے سے اور یتیموں سے اور محتاجوں سے

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ

اور کہیو لوگوں سے نیک بات اور کھڑی رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوٰۃ پھر

تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ ۝

تم پھر گئے مگر تھوڑے تم میں اور تم کو دھیان نہیں۔

اور نبی کی نبوت کا انکار کفر ہے۔ اسلئے تمہارا عذاب دائمی ہوگا جیسا کہ کافر کا تمام شریعتوں میں یہی حکم ہے کہ وہ ہمیشہ عذاب میں رہے گا۔

شناعت یازدہم

قال تعالیٰ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ الی وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ ۝

ربط گذشتہ آیات میں یہود کے اس زعم فاسد کہ ہم کو سوائے چند گنتی کے دنوں کے دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں رد فرمایا کہ یہ خیال خام ہے۔ نجات کا دارومدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ خاندان نبوت سے تعلق پر نہیں۔ جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے خواہ وہ کسی خاندان اور کسی قوم کا ہو اس کی نجات ہوگی اور جو کفر کرے گا وہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں جائیگا۔ جیسے نوح علیہ السلام کا بیٹا۔ یہ آخرت کا معاملہ ہے ع

دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

علاوہ ازیں تمہاری عہد شکنیوں کا مقتضیٰ بھی اسکے خلاف ہے کہ تمکو صرف چند روزہ عذاب دیا جائے جس قوم نے خداتعالیٰ سے پختہ عہد و پیمان کرکے توڑے ہوں اُس قوم کو چند روز عذاب دیکر چھوڑ دینا خلاف حکمت ہے۔ خصوصاً جبکہ عہد شکنی اُن کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہو اور نیت بھی یہ ہو کہ ہمیشہ ان گناہو

پر قائم رہیں گے اسلئے آیندہ آیات میں بنی اسرائیل کی عہد شکنیوں کا ذکر فرماتے ہیں - اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے توریت میں بنی اسرائیل سے چند باتوں کا پختہ عہد لیا -

اول یہ کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہیں کروگے دوم یہ کہ والدین کیساتھ ایسا خاص احسان کروگے جو احسان کی تمام انواع و اقسام کو شامل ہو - اور اس کی تین قسمیں ہیں (۱) ترک ایذا و (۲) خدمت مالی (۳) خدمت بدنی - سوم اہل قرابت کیساتھ حسب قرابت احسان کرنا اور چہارم یتیموں کیساتھ سلوک اور احسان کرنا اور پنجم عام غرباء اور محتاجوں کیساتھ سلوک اور احسان کرنا اور ششم یہ کہ تمام لوگوں کیساتھ خواہ مومن ہوں یا کافر اچھی طرح اور نرمی سے بات کرنا - حسن خلق اور مدارات میں کسی کی تخصیص نہیں اور ہفتم یہ کہ نماز کو قائم رکھنا اور ہشتم یہ کہ زکوٰۃ ادا کرتے رہنا - یہ وہ عہد تھے کہ جو تم سے لئے گئے - پھر تم نے ان مضبوط اور محکم عہدوں سے روگردانی کی - مگر تم میں کے بہت ہی تھوڑے افراد اُن عہدوں پر قائم رہے اور تم تو احکام خداوندی سے اعراض اور انحراف کے عادی اور خوگر ہی ہوگئے ہو اور یہ اعراض تمہاری عادت ثانیہ بن گئی ہے اور پھر اسپر دعویٰ یہ ہے کہ ہم اللہ کے محب اور محبوب ہیں -

فوائد

(فائدۂ اولیٰ) والدین کی تربیت - تربیت خداوندی کا ایک نمونہ ہے - والدین عالم اسباب میں اسکے وجود کے ایک ظاہری سبب ہیں - ماں باپ اولاد کیساتھ جو کچھ احسان کرتے ہیں وہ کسی غرض اور عوض کیلئے نہیں - اولاد کی تربیت سے ماں باپ کسی وقت ملول نہیں ہوتے - اولاد کے لئے جو کمال ممکن ہو دل و جان سے اس کی آرزو کرتے ہیں - اولاد کی ترقی اور عروج پر کبھی حسد نہیں کرتے ہمیشہ اپنے سے زیادہ اولاد کو ترقی اور عروج پر دیکھنے کے خواہشمند اور آرزومند رہتے ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد تعظیم والدین کا حکم دیا اور انہی وجوہ کی بنا پر والدین کی تعظیم تمام شریعتوں میں واجب رہی اور چونکہ یہ حق محض ماں باپ ہونے کی وجہ سے ہے اسلئے وَبِالْوَالِدَيْنِ میں ایمان کی قید نہیں لگائی گئی اشارہ اس طرف ہے کہ والدین کی تعظیم والدین ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں واجب اور لازم ہے - والدین خواہ کافر و فاجر ہوں یا منافق و فاسق ہوں - اسی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام نے آذر کی دعوت و تلقین میں ہمیشہ تلطف اور نرمی کو ملحوظ رکھا جیسا کہ سورۂ مریم میں مفصل قصہ مذکور ہے - اور

قرآن اور حدیث میں جابجا کافر اور مشرک ماں باپ کیساتھ بھی سلوک اور احسان کا حکم دیا گیا ہے

فائدہ دوم

محتاج تو یتیم اور مسکین دونوں ہی ہیں۔ مگر یتیم کم سن ہونے کی وجہ سے کمانے کی طاقت نہیں رکھتا اسلئے یتیم کو مسکین پر مقدم فرمایا۔

فائدہ سوم

مالی سلوک اور احسان زیادہ تر اقارب کے ساتھ ہوتا ہے۔ مالی احسان ہر ایک کے ساتھ ممکن نہیں اسلئے وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا میں اجانب کیساتھ قولی احسان کا ذکر فرمایا اسلئے کہ تواضع اور حسن خلق کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ ممکن ہے۔

فائدہ چہارم

دعوت اور تذکیر یعنی وعظ اور نصیحت کے موقعہ پر نرمی اور ملاطفت معہود ہے۔ کما قال تعالیٰ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔ وقال تعالیٰ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وقال تعالیٰ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وقال تعالیٰ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ غرض یہ کہ وعظ اور نصیحت اور تبلیغ اور مناظرہ میں تلطف اور لین مناسب ہے جیسا کہ ان آیات سے صاف ظاہر ہے۔ البتہ جہاد اور قتال میں غلظت اور شدت مناسب ہے کما قال تعالیٰ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔

فائدہ پنجم

دربیان فرق مداراۃ و مداہنت

بہت سے لوگ مداراۃ اور مداہنت میں فرق نہیں سمجھتے حالانکہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اپنی دنیوی اور جسمانی راحت اور منفعت کو دوسرے کی دنیوی راحت اور منفعت کے خیال سے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ

اور جب لیا ہم نے اقرار تمہارا کہ نہ کرو گے خون آپس میں اور نہ نکال دو گے

أَنفُسَكُم مِّن دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ۝

اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کیا اور تم مانتے ہو

ثُمَّ أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنكُم

پھر تم ویسے ہی خون کرتے ہو آپس میں اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقے کو

مِّن دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط

ان کے وطن سے چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ سے اور ظلم سے

وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ

اور اگر وہی آویں تم پاس کسی کی قید میں پڑے تو ان کا چھڑائی دیتے ہو اور وہ بھی حرام ہے تم پر ان کا نکال دینا

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ

پھر کیا مانتے ہو تھوڑی کتاب اور منکر ہوتے ہو تھوڑی سے پھر کچھ سزا نہیں

مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ج

اس کی جو کوئی تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں

چھوڑ دینا اس کا نام مداراۃ ہے۔ اور کسی دنیوی لحاظ کے خاطر اپنے دین کو چھوڑ دینا یا اس میں سستی کرنا اس کا نام مداہنت ہے۔ مداراۃ شریعت میں مستحسن اور پسندیدہ ہے اور مداہنت قبیح اور مذموم ہے خلاصہ یہ کہ دین میں سستی اور نرمی کا نام مداہنت ہے۔ اور دنیوی امور میں نرمی اور سستی کا نام مدارات ہے۔

شناعت دوازدہم

قال تعالیٰ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ الی وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝

ربط علاوہ ازیں تمہاری دوسری عہد شکنیوں کا بھی مقتضیٰ یہی ہے کہ تم کو چند روز عذاب

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ

اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

بے خبر نہیں تمہارے کام سے وہی ہیں جنھوں نے خرید کی دنیا کی زندگی

بِالْاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ ع

آخرت دیکر سو نہ ہلکا ہوگا اُن پر عذاب اور نہ اُن کو مدد پہنچے گی

ربع

نہیں بلکہ دائمی عذاب دیا جائے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے تم سے اس امر کا پختہ عہد لیا کہ آپس میں خونریزی نہ کروگے اور نہ ایک دوسرے کو گھروں سے نکالوگے۔ اپنے ہم مذہبوں کو قتل کرنا اور اُن کو جلائے وطن کرنا درحقیقت اپنے ہی کو قتل کرنا اور جلائے وطن کرنا ہے۔ اسی وجہ سے بجائے اَقَارِبَکُمْ وَاَھْلَ مِلَّتِکُمْ کے اَنْفُسَکُمْ کا لفظ استعمال فرمایا۔ اور پھر تم نے اس کا اقرار بھی کرلیا کہ یہ عہد اور پیمان ہم کو منظور اور قبول ہے اور فقط اقرار پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تم اسپر شہادت اور گواہی بھی دیتے ہو کہ بیشک ہمارے بزرگوں نے یہ عہد کیا تھا اور پھر تم اس صریح اقرار اور صریح شہادت کے بعد تم ہی وہ لوگ ہو کہ باہم ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے ہو اور اپنی قوم کے ایک فریق کو جلاوطن بھی کرتے ہو اس طرح کہ تم ان کے مقابلہ میں اللہ کے گناہ اور معصیت اور بندوں پر ظلم اور تعدی کیساتھ قتل کرنے اور جلاوطن کرنے میں اُن کے مخالفین کی امداد کرتے ہو۔ توریت کے ان دو حکموں کو تم نے پس پشت ڈالا۔ اور تیسرا حکم جو آسان تھا اسپر عمل کرنے پر تیار رہتے ہو اور وہ یہ کہ اگر تمہارے ہم مذہب لوگ اسیر اور گرفتار ہو کر آتے ہیں تو اُن کا فدیہ دیکر اُن کو قید سے چھڑاتے ہو اور حالانکہ تم پر اُن کا نکالنا اور جلاوطن کرنا بھی تو قطعاً حرام تھا اور قتل کرنا تو اس سے بھی بڑھکر جرم تھا۔ مگر تعجب ہے کہ جو جرم شدید تھا اس کا تو ارتکاب کرتے رہے اور جو جرم ذرا خفیف تھا اس سے اجتناب کیا اور وہ اجتناب بھی اتباع شریعت کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس بنا پر تھا کہ وہ حکم غرض اور طبیعت کے موافق تھا لہذا ایسے شخص کے لئے چندروزہ عذاب کافی نہیں دائمی عذاب چاہیے۔

مدینہ منورہ میں دو فریق یہودیوں کے تھے۔ ایک بنی قریظہ۔ اور دوسرے بنی نضیر۔

اسی طرح مدینہ میں مشرکین کے بھی دو فریق تھے۔ ایک اوس اور خزرج اور ہر فریق دوسرے فریق کا دشمن تھا۔ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ بنی قریظہ تو قبیلۂ اوس کے حلیف اور دوست تھے اور بنی نضیر قبیلۂ خزرج کے حلیف اور دوست تھے۔ جب کبھی اوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تو حلف اور دوستی کی وجہ سے بنو قریظہ تو اوس کی حمایت اور مدد کرتا اور بنی نضیر قبیلۂ خزرج کی حمایت اور امداد کرتا اور ہر قبیلہ اپنے حلفاء کے ساتھ ملکر اپنے دشمن کو مارتا اور جلا وطن کرتا۔ اور اگر کوئی یہودی جنگ میں اسیر ہو جاتا تو سب ملکر روپیہ جمع کرتے اور زر فدیہ دیکر اس کو قید سے چھڑا کر لاتے اور اگر کوئی ان سے پوچھتا کہ تم آپس میں جنگ و جدال اور قتل و قتال کرتے ہو اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکالتے ہو تو پھر انہی قیدیوں کو جن کو گھروں سے نکالا تھا فدیہ دیکر کیوں چھڑاتے ہو تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ توریت میں حق تعالیٰ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے کہ جس وقت تمہارے ہم مذہب بھائی کسی کے ہاتھ میں قید ہو جائیں تو ان کو قید سے چھڑانا ہم پر واجب ہے اور رہی آپس کی جنگ تو وہ دنیوی مصالح کی بنا پر ہے اس میں اگر اپنے حلفاء کا ساتھ نہ دیں تو موجب عار و ننگ ہے۔ حق جل شانہ نے اس آیت میں یہود کی اس شناعت کو ذکر فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ تم کو توریت میں قتل کرنے اور جلا وطن کرنے کی اور ظلم اور تعدی میں مدد کرنے کی ممانعت کی گئی تھی۔ اور قیدیوں کو فدیہ دیکر چھڑانے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان تمام احکام میں سے تم نے فقط فداء اسیران کے حکم پر عمل کیا اسلئے کہ وہ تمہاری نفسانی خواہش کے موافق اور مطابق تھا۔ یہ درحقیقت خدا کی اطاعت نہیں بلکہ اپنے نفس کی اطاعت ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی حماقت ہے کہ اپنے بھائیوں کے قتل کو اور گھروں سے نکالنے کو تو جائز سمجھتے ہیں اور اگر کسی غیر کے ہاتھ میں اسیر ہو جائیں تو فدیہ دیکر ان کے چھڑانے کو واجب سمجھتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ تم شریعت کے بعض عہدوں اور بعض حکموں کو بے دھڑک توڑتے ہو اور شریعت کا وہ حکم جو تمہاری خواہش نفس اور طبیعت کے موافق ہو اس پر عمل کرتے ہو۔ پس کیا تم کتاب خداوندی یعنی توریت کے بعض حکموں پر تو ایمان لاتے ہو۔ اور بعض احکام کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ ایمان میں

تجزی اور تقسیم جاری نہیں ہوتی۔ سارے ہی حکموں کے ماننے کا نام ایمان ہے۔ جو شخص ایک
حکم کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے۔ پس کیا جزا ہے اُس شخص کی کہ جو ایسا شنیع کام کرے کہ اللہ
کے بعض حکموں کو مانے اور بعض کو نہ مانے خصوصًا تم میں سے کہ جو اپنے کو اہل کتاب اور اہل علم بتلاتے
ہیں مگر خواری اور رسوائی دنیاوی زندگانی میں جیسے قتل اور غارت اور کمال ذلت و اہانت کیساتھ
اُن سے جزیہ اور خراج وصول کرنا اور اُن کے جرم کے لحاظ سے یہ سزا کوئی بڑی سزا نہیں
البتہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف پہنچائے جائیں گے اور خوب سمجھ لو کہ جو کچھ
تم کر رہے ہو اللہ تعالے تو اس سے غافل اور بے خبر نہیں ہاں تم ہی غفلت اور بے خبری میں ہو
دیکھو بے عقل لوگوں کا گروہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ جنھوں نے اس دنیائے دنی اور فانی کی حقیر زندگی
کو آخرت کے عوض میں بصد رغبت خرید لیا ہے پس یہ نادان آخرت کے منافع سے تو کیا متمتع
ہوتے۔ اُن سے تو عذاب اُخروی ہلکا بھی نہیں کیا جائے گا اور نہ اُن کی کسی قسم کی مدد کی جائے گی
کہ کوئی زور آور بزور اللہ کے عذاب کو ان سے دفع کر دے۔

(باقی آئندہ)

قسط نہم

ملفوظات

ملقب بہ

الکلام الحسن

(از ارشادات و ملفوظات حضرت حکیم الامۃ مرشدی مولائی جناب مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہم)

(جمع کردہ حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسن صاحب مدت فیوضہم مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور)

(۱۳۲) فرمایا پانی پت کے قریب ایک جگہ ہے "محمد پور" وہاں کے ایک رہنے والے نے جو مجھ سے بیعت بھی ہیں پندرہ ۱۵ روپیہ ہمارے مدرسہ کیلئے پیش کئے مجھے کچھ وہم ہوا (اور مجھے اکثر وہم بلا وجہ نہیں ہوتا یا قرائن سے ہوتا ہے یا بعض دفعہ دل میں کھٹک پیدا ہو جاتی ہے) میں نے اُن سے کہا کہ پانی پت تم سے قریب ہے اور وہاں بھی مدرسہ ہے اور قریب کا حق زیادہ ہوتا ہے۔ تم نے یہ روپیہ وہاں کیوں نہ دیا۔ کہا یہ خیال ہوا کہ وہاں دینا ریا ہے۔ میں نے کہا مجھکو تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہاں دینے میں یہ مصلحت ہے کہ پیر بھی راضی ہونگے کہ ہمارے مدرسہ میں دیا اور اللہ میاں بھی۔ سو ہم ایسی شرک کی رقم مدرسہ میں نہیں لینا چاہتے۔ اور رقم واپس کردی۔ صبح کو اُنہوں نے آکر اقرار کیا کہ واقعی میری نیت خراب تھی۔ اب میں اس نیت سے توبہ کرچکا ہوں اور توبہ کرکے پھر پیش کرتا ہوں۔ میں نے کہا اب لاؤ۔

(۱۳۳) فرمایا میں جب نواب صاحب کے بُلانے پر "ڈھاکہ" گیا تو وہاں بنگال کے اہل علم اطراف سے ملاقات کو آئے۔ میں نے سب سے کہدیا کہ کھانا بازار سے کھانا چاہیئے۔ جب نواب صاحب کو پتہ چلا تو اپنے چچا سے کہ وہی منتظم تھے، کھانے کیلئے فرمایا۔ کہ ان سب کا کھانا ہمارے یہاں سے ہوگا۔ اُنہوں نے مجھ سے کہا۔ میں نے کہا کہ وہ میرے احباب ہیں۔ طُفیلی نہیں ہیں۔ میں اُن سے نہیں کہتا۔ آپ خود اُن کی دعوت کیجئے۔ وہ اگر منظور کرلیں اُن کی مرضی۔ پھر ایک ایک کی تلاش کرکے دعوت کی تب وہ میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ اور میرے اس طرح نہ کہنے سے طفیلی بنکر کھاتے۔ اور اُن صاحبوں نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے اجازت دیدی۔ پھر میں نے اُن سے کہا کہ ملاحظہ فرمایئے عزت اس میں ہے یا اس میں کہ طفیلی بنکر شامل دعوت ہوتے۔

(۱۳۴) فرمایا طب میں یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ بچہ والدہ کی منی سے بنتا ہے۔ والد کی منی سے محض عورت کے مادہ کا انعقاد ہوتا ہے۔ اور بعض احکام شرعیہ میں بھی اس کی رعایت ملحوظ کی گئی ہے۔ مثلاً سادات نسب میں حضرت فاطمہ رض کے تابع ہیں۔ اسی طرح اَمَتہ (یعنی لونڈی) کی اولاد صفت رق میں اُس کے تابع ہوتی ہے مذکر کے تابع نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام سے عیسےٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا فطرت کے خلاف نہیں ہوا کہ نفخ جبرئیل ع کا اثر صرف مادہ کا انعقاد تھا اور جہاں ولد کو باپ کے تابع بنایا گیا ہے وہاں مصلحت تربیت کو اس اصل طبعی پر ترجیح دی گئی ہے۔

فرمایا مقولہ من لا شیخ لہ فشیخہ الشیطٰن — جس کا شیخ نہ ہو اس کا شیطان شیخ ہے

کا معنے یہ ہو کر من لا متبوع لہ — جس کا کوئی مقتدا نہ ہو۔

تو اس سے شیخ عرفی کا اتخاذ لازم نہیں آتا اور یہ قول حدیث نہیں ہے۔ البتہ ایک اور حدیث میں یہ مضمون ہے

الشیخ فی قومہ کالنبی فی اُمتہ — شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت میں

مگر اس حدیث میں شیخ سے مراد معمر آدمی ہے اور حدیث کا مدلول تشبیہ ہے احترام میں اور مصلح ہونے میں یہاں بھی پیر کا معنی نہیں۔ اور اس حدیث کی تخریج عراقی نے کی ہے۔

(۱۳۵) فرمایا اکثر اہل کشف متفق ہیں کہ مُردہ کو سلام وغیرہ کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ کشفی ہے جو ظن کا درجہ رکھتا ہے۔ اور اہل ظاہر اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ سیوطی رح نے ایک عجیب حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کی قبر پر جاکر قرآن پڑھتا تھا تو والدہ نے خواب میں کہا کہ بیٹے تھوڑی دیر چپکے بیٹھ جایا کرو کیونکہ جب تم آتے ہی قرآن شریف پڑھنے لگ جاتے ہو تو انوار اس قدر تم کو محیط ہو جاتے ہیں جس سے تمہارا چہرہ چھپ جاتا ہے اور میں تمہارا چہرہ دیکھ نہیں سکتی اور ترستی رہجاتی ہوں۔ اس واسطے تم پہلے تھوڑی دیر چپکے بیٹھ جایا کرو پھر پڑھا کرو تاکہ میں جی بھر کر دیکھ سکوں۔

(۱۳۶) فرمایا میں نے ایک غیر مقلد عالم کے سوال کے جواب میں اہل قبور کے افادے کو اس حدیث سے ثابت کیا کہ ایک صحابی نے بیان کیا کہ "میں نے ایک قبر کے اندر سے سورۂ ملک کی آواز سُنی" پس قرآن شریف کا سننا فائدہ ہے اور سنانا افادہ ہے۔ اور یہ فائدہ میّت سے حاصل ہوا پس مطلوب ثابت ہو گیا۔ اسی سلسلہ میں یہ حکایت تائیداً بیان کی کہ مولانا گنگوہی رح کو ایک شخص نے خواب

میں دیکھا فرمایا کہ مجھکو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے خلافت دیدی - غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ تصرف کا اذن مل گیا - وجہ استخلاف یہی تصرف ہے اور یہ عام نہیں - بعض بزرگوں کو بعد وفات کے ملجاتا ہے -

ایک صاحب نے پوچھا کہ وہ کس قسم کا تصرف ہوتا ہے - فرمایا مثلاً کسی کو کیفیت باطنیہ حاصل ہوگئی یا اس میں ترقی ہوگئی -

(احقر نے کہا کہ کیا اس کا ادراک زندہ کو ہوتا ہے) فرمایا مثلاً اس بزرگ کی قبر پر جانے سے ذوق وشوق میں ترقی ہوگئی - تو یہ ترقی اس بزرگ کے تصرف و توجہ کا اثر ہوتی ہے جو مدرک ہوتا ہے -

کسی نے اہل مجلس میں سے کہا کہ گھر بیٹھے بھی تو یہ فائدہ ہو سکتا ہے - فرمایا قبر سے مُردہ کو خاص تعلق ہوتا ہے - وہاں اس کی زیادہ توقع ہے -

(۱۳۷) سلسلۂ مذکورہ میں فرمایا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب رح حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لیجاتے تھے - ایک بار انکو خیال ہوا معلوم نہیں حضرت کی روح کو اس کی اطلاع ہوتی ہے یا نہیں - پس اُن کی روح نے متمثل ہوکر شاہ صاحب رح سے خطاب کیا اور یہ شعر نظامی کا پڑھا ؎

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　　من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

(۱۳۸) فرمایا قبر پر قرآن شریف پڑھنے سے مُردہ کو اُنس ہوتا ہے -

(۱۳۹) فرمایا عورتوں پر جو آسیب کا اثر ہو جاتا ہے تو اس کے دو سبب ہوتے ہیں کبھی جن کا غضب مشاہدہ اور کبھی اُس کی شہوت جیسا بعض عورتوں کو ہسٹیری وغیرہ کا ہوتا ہے -

(۱۴۰) ایک شخص نے خط میں سوال کیا کہ بیس تراویح کا کیا ثبوت ہے - اسکو جواب تحریر فرمایا کہ کیا مجتہدین پر اعتبار نہیں ہے (یہ جواب لکھنے کے بعد) فرمایا اگر اس شخص نے یہ جواب لکھا کہ مجتہدین پر اعتبار نہیں ہے تو یہ جواب لکھوں گا کہ پھر مجھ پر کیسے اعتبار کر لیا جبکہ امام ابو حنیفہ رح جیسے حضرات پر اعتماد نہ کیا -

(۱۴۱) فرمایا قبور کی زیارت سے یہ قصد ہونا چاہئے کہ موت یاد آتی ہے اور یہ کہ میری دعا سے اہل قبور کو فائدہ پہنچے گا -

(۱۴۲) فرمایا حضرت شاہ فضل الرحمن صاحب مجذوب رنگ کے تھے اور بہت مستغرق

غالب تھا۔ افاقہ بھی ہوتا تھا۔

(۱۴۳) فرمایا ترک تقلید پر قیامت میں مواخذہ تو نہ ہوگا۔ کیونکہ کسی قطعی کی مخالفت نہیں۔ مگر بے برکتی اس میں یقینی ہے۔

(۱۴۴) فرمایا اختلاف احادیث کی صورت میں مجتہدین کے نزدیک اصل یہ ہے کہ ایک حدیث کو ذوق سے اصل قرار دیتے ہیں۔ اور یہی ذوق اجتہاد ہے اور بقیہ احادیث کو اس کی طرف راجع کرتے ہیں۔ یا اُن کو عوارض پر محمول کرتے ہیں اور جہاں کہیں کسی مجتہد کی مستدل حدیث ضعیف ہو تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مجتہد نے جس حدیث سے تمسک کیا ہو وہ اور ہو۔ یا اگر یہی ہو تو اُس کو قوی سند سے پہنچی ہو اور ہمارے لئے خود کیونکہ مجتہد کا تمسک اُس حدیث سے اُس کی قوت اور صحت کی دلیل ہے اور اگر اُس کے کسی راوی میں اختلاف ہو اور کسی مجتہد کا تمسک اُس ضعیف راوی کی روایت پر ہو تو اس میں یہ کیا جائے گا کہ امام کی توثیق اُس کے تمسک کے لئے کافی ہے۔ دوسرے کی تضعیف اُس پر حجت نہیں۔ اور اگر کسی حدیث کے مدلول میں کوئی احتمال ہمارے خلاف ہو تو تمسک میں مضر نہیں کیونکہ یہ خود ہمارا عقیدہ ہے کہ مسائل اجتہادیہ ظنیہ ہیں کہ دوسرے کا مذہب بھی صواب کا احتمال رکھتا ہے تو اس صورت میں دوسرا احتمال کیا مضر ہوا۔ چنانچہ مجھ سے اگر کوئی طالب علم یہ سوال کرتا تھا کہ اس حدیث میں تو دوسرا احتمال بھی ہے تو میں کہتا تھا کہ پھر کیا ضرر ہوا کیونکہ ہمارا عقیدہ یہی ہے

مذهبنا صواب مع احتمال الخطاء ۔ ہمارا مذہب درست ہے مع احتمال الخطاء اور غیر کا مذہب

ومذهب الغير خطاء مع احتمال الصواب ۔ خطا ہے مع احتمال الصواب۔

(۱۴۵) فرمایا اگر طریق سلوک سے کسی کو مناسبت ہو اور میری تالیفات دیکھتا رہے اور کبھی کبھی پاس بیٹھتا رہے تو انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہے

(۱۴۶) فرمایا ایک رئیس ہندو یہاں آیا اس کے ساتھ اس کا گرو بھی تھا اس نے سوال کیا کہ قرآن شریف آپ کے نزدیک اللہ کا کلام ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کے زبان ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا پھر کلام کیسے صادر ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا یہ مقدمہ ہی غلط ہے کہ کلام کا صدور بلا زبان نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے انسان تو بواسطہ لسان کے گفتگو کرتا ہے مگر لسان بالذات متکلم ہے۔ لسان کو تکلم کے لئے کسی دوسری لسان کی حاجت نہیں۔ اسی طرح انسان آنکھ سے

دیکھتا ہے۔ اور آنکھ خود بالذات دیکھنے والی ہے اس کو کسی دوسری آنکھ کی حاجت نہیں۔ اسی طرح انسان کان سے سنتا ہے۔ ناک سے سونگھتا ہے مگر ان اعضاء کے لئے ان کے افعال میں دوسرے اعضاء کی حاجت نہیں۔ یہ خود بلا واسطہ اور بالذات سنتے سونگھتے ہیں۔ پس اگر اسی طرح اللہ تعالیٰ بالذات متکلم ہوں اور ان کو لسان کی حاجت نہ ہو تو کیا استبعاد ہے۔ اس کو سُن کر بہت محظوظ ہوا اور اپنے گروہ سے کہنے لگا کہ دیکھا علم اس کو کہتے ہیں

(۱۴۷) فرمایا بعض مفسرین نے بروج کی تفسیر میں اہل ہیئت کا قول لے لیا ہے جس کا عربیت میں کہیں نشان نہیں۔ مزید براں اُسکے ساتھ نجوم کو بھی شامل کر لیا کہ خاص کواکب کا خاص بروج سے تعلق مانا۔ اور یہ اہل نجوم کا خیال ہے اور وہ بھی محض اس وہمی بناء پر کہ مثلاً شمس گرم ہے اور اسد کا مزاج بھی گرم ہے تو شمس کا تعلق اسد سے ہوگا اور اس کا لغو ہونا ظاہر ہے کیونکہ اسد جو گرم ہے تو حیوان ہے نہ کہ شکل اسد جو کواکب کے اجتماع سے متخیل ہو گئی نیز اب وہ شکل بھی اہل فن کے نزدیک بروج میں مجتمع نہیں رہی۔

(۱۴۸) فرمایا صوفیہ کی بعض تدبیرات ریاضت ہنود سے اخذ کی ہوئی ہیں جیسا حبس دم وغیرہ مثلاً۔ اور وہ دراصل تخیلات مشوشہ کا علاج ہے اور کفار سے ایسی تدابیر کو اخذ کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت سلمان فارسی رض کی رائے سے حفر خندق کی تدبیر جو کفار فارس کی تدبیر تھی لیلی گئی۔ اور چونکہ وہ نہ دین کی بات تھی۔ نہ کفار کا شعار قومی تھا اسلئے اسکو جائز کہا جائیگا۔

(۱۴۹) فرمایا حضرت مولانا محمد اسحاق صاحبؒ محدث دہلوی کے دو ملفوظ عجیب سُنے ایک حدیث

قل هو الله احد تعدل ثلث القران   سورۂ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے

کے متعلق۔ کسی نے پوچھا کہ کیا اس سے یہ کہنا صحیح ہے کہ تین بار پڑھنا ایسا ہے جیسا پورا قرآن پڑھ لیا۔ فرمایا نہیں بلکہ ایسا ہے جیسا تین ثلث قرآن پڑھ لیا" اس کی شرح یہ ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تین بار پڑھنے سے پورے قرآن کے برابر ثواب مل جاوے کیونکہ اس کے معنے میں دو احتمال ہیں ایک مطلق ثلث اسپر تو وہ حکم صحیح ہے۔ دوسرے ثلث معین یعنی خاص وہ ثلث جو مشتمل ہے توحید پر۔ اس صورت میں تین بار قل ھو اللہ پڑھنا ایسا ہے جیسے تین بار وہ توحید کا حصہ پڑھ لیا اس تقدیر پر وہ حکم صحیح نہیں۔ دوسرا جواب قیام مولد کے متعلق منقول ہے کہ کسی نے قیام مولد شریف کے متعلق پوچھا تو فرمایا "شیخ مجلس کو دیکھنا چاہئے" اور یہ جواب مجمل ہے۔ اس کی شرح حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی ....

ایک تحریر سے ہوئی وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اس کی نسبت پوچھا تھا فرمایا کہ یہ قیام ایک حرکت جدید ہے۔ کسی کو اس ذکر کے وقت حالت کا غلبہ ہوا اور وہ کھڑا ہو گیا اور اس فن کا مسئلہ ہے کہ وجد میں اہلِ مجلس کو موافقت کرنا چاہئے۔ اگر صاحبِ حال کی موافقت نہ کی جائے تو بعض دفعہ یہ بسط انقباض سے متبدل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ہلاکت کی نوبت آ جاتی ہے لہذا اس کی موافقت کرنا چاہئے پس کسی نے قیام کیا دوسروں نے اس کی موافقت کی اسکے بعد عادت ہو گئی۔ پس شاہ اسحق صاحبؒ کا مطلب اس اصل کی بنا پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ مجلس کو دیکھو اگر وہ صاحب حال ہے تو اُس کے قیام کو وجد پر محمول کر کے اُس کی موافقت کر دو ورنہ نہیں۔

(۱۵۰) فرمایا اہلِ خدمت میں بعضے مجذوب بھی ہوتے ہیں جو توجہ اور ہمت سے انتظام کرتے ہیں اور اہلِ فن کی اصطلاح میں ان کا نام اہلِ نوبت تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رح نے ایک دفعہ دہلی کی ظاہری حکومت کی بد انتظامی کے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ اہلِ خدمت آج کل ڈھیلے ہیں۔ پھر کچھ دن گذرنے کے بعد جب خوب انتظام ہو گیا تو پھر سوال کے جواب میں فرمایا اب اہلِ خدمت بدل گئے۔ اور فرمایا کہ پہلے ایک کنجڑا تھا اب ایک سقّا ہے پھر ان کے حالات کا ذکر فرمایا جس میں پہلے کی نرمی اور دوسرے کی سختی معلوم ہوتی تھی۔

(۱۵۱) ایک مولوی صاحب نے خط میں تصوف کے رُوس دریافت کئے۔ فرمایا اس کا طریق یہ نہیں ہے بلکہ میرے پاس آکر کچھ دن رہیں پھر سب معلوم ہو جائے گا۔ اور مجھ سے تو اگر کوئی اس قسم کے سوالات کرتا ہے تو میں کہہ دیتا ہوں کہ یہاں تحصیلِ فن کا انتظام نہیں۔ اگر علاج کرانا ہے تو علاج کیلئے آ جاؤ۔ اور علاج میں حکیم سے وجہ دریافت کرنے کی اجازت نہیں بس ہم جو کہدیں وہ کرتے رہو۔ بعض لوگوں کو چند الفاظ اصطلاحی یاد ہو جاتے ہیں ہر جگہ انہیں کو بگھارتے پھرتے ہیں سہ

حرفِ درویشاں بدزدد مردِ دوں   تا بخواند بر سلیمے زاں فسوں

(۱۵۲) فرمایا غلاۃ مبتدعین کے مقابلے میں غیر مقلد ایسے ہی ہیں جیسے رافضیوں کے مقابلے میں ہیں خارجی۔

(۱۵۳) ایک شخص دم کروانے کیلئے بوتل میں پانی لایا وہ بھری ہوئی تھی۔ حضرت نے فرمایا

اس کو کچھ خالی کر کے لاؤ۔ پھونک کہاں جاویگی۔ باقی اصلی مصلحت حفاظت ہے پھر بوتل کی مناسبت سے ہی ۔ فرمایا صوفیہ معالجین میں اختلاف ہے کہ آیا تخلیہ مقدم ہے یا تحلیہ۔ اور بوتل ہی دونوں کے استدلال کی نظیر ہے۔ مثلاً اگر بوتل میں ہوا بھرنا چاہیں تو بدون اخراج مادے کے ممکن نہیں۔ یہ نظیر ہے تخلیہ (بالمعجمہ) کی تقدیم کی۔ اسی طرح اگر ہوا خارج کرنی چاہیں تو بدون ادخال مادے کے نہیں۔ یہ نظیر ہے تحلیہ (بالمہملہ) کی تقدیم کی۔ اور اب تو متاخرین دونوں کو ساتھ ساتھ شروع کر دیتے ہیں یعنی تحلیہ اور تخلیہ دونوں ایکدم شروع کرا دیتے ہیں جیسے پہلے مدرسین کی رائے معقول یا منقول کی تقدیم میں مختلف تھی اور اب دونوں کو درس میں مقارن کر دیا گیا۔

(۱۵۴) فرمایا کشف کو طریق باطن میں کیا دخل۔ طریق باطن کی حقیقت تو یہ ہے کہ اعمال باطنیہ کی تحصیل اور تکمیل کریں۔

(۱۵۵) فرمایا طاعون میں مکان چھوڑ کر باہر صحرا میں جانا جائز ہے لیکن پہلے اپنے اعتقاد کو اچھی طرح دیکھ لے۔

(۱۵۶) فرمایا تراویح کے متعلق مولوی ظفر احمد نے اعلاء السنن میں بہت عمدہ تحقیق لکھی ہے اور مجھ کو سب سے زیادہ اس کتاب کا خیال ہے کہ یہ کتاب جلد ہی چھپ جائے گو کچھ نکاسی بھی نہ ہو۔ آخر کسی نہ کسی طرح اہل علم کے تو ہاتوں میں پہنچ جائیگی۔

(۱۵۷) ایک ضال مضل کی نسبت فرمایا کہ جب یہ پیدا ہوا تو اُس کے والد اس کو شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں لے گئے تو دیکھ کر فرمایا یہ بہت لوگوں کو گمراہ کرے گا۔

(۱۵۸) فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اول ہی قادیانی کی براہین کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اس کی طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد لوگوں کو گمراہ کرے گا۔

(۱۵۹) فرمایا ایک بہت بڑے معقولی فاضل نے آیۃ لنعلم میں دفع اشکال حدوث کے لئے یہ غضب کیا ہے کہ علم سے مراد علم تفصیلی لیا ہے اور وہ حادث ہے البتہ علم اجمالی کا ترتب حادث پر صحیح نہیں کیونکہ وہ صفت قدیمہ ہے اور یہ توجیہ بالکل غلط ہے کیونکہ علم تفصیلی تو اصطلاح میں خود معلومات کا نام ہے اسلئے نہ اُس سے اشتقاق صحیح ہے اور نہ ہی اس کی اسناد الی الواجب

صحیح - اور آیت میں اشتقاق بھی ہے اور اسناد بھی - قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح نے اس کی تفسیر پارہ سیقول میں نہایت عمدہ کی ہے اور کہا ہے کہ علم حق جو اشیاء کے متعلق ہے وہ واقع کے مطابق ہے - پس ماضی کے ساتھ صفت ماضی کے ساتھ متعلق ہے اور حال اور استقبال کے ساتھ حال و استقبال کی صفت کے ساتھ متعلق ہے - پس جو چیز مستقبل تھی اُسکے ساتھ علم یوں متعلق تھا کہ یہ چیز مستقبل میں واقع ہوگی - اب اس علم ثابت فی الآیۃ کی یوں تفسیر ہوگی کہ جس چیز کو اس طرح جانتے تھے کہ مستقبل میں ہوگی اب اس طرح جان لیں کہ ماضی میں ہو چکی - اور دونوں انکشافوں میں مطلق تفاوت نہیں - پس یہ تغیر "اضافہ" میں ہوا جو صفت معلوم کی ہے علم میں نہیں جو صفت عالم کی ہے -

(۱۶۰) فرمایا بو علی سینا ایک بزرگ کی ملاقات کے واسطے گیا اور ان بزرگ کے سامنے ایسی تقریریں بگھاریں جس میں اپنے علم کا اظہار تھا اور واپس آنے کے بعد حاضرین سے پوچھا کہ شیخ نے میری نسبت کیا رائے ظاہر کی - کسی نے کہا اُنہوں نے یہ فرمایا "بو علی اخلاق ندارد" - بو علی اخلاق نہیں رکھتا - ابن سینا نے فوراً علم اخلاق میں ایک کتاب تصنیف کر کے ان بزرگ صاحب کے پاس بھیجدی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اُنکا فیصلہ غلط ہے اُنہوں نے کتاب کو دیکھ کر فرمایا "من نگفتم کہ اخلاق نداند بلکہ گفتم اخلاق ندارد" میں نے یہ نہ کہا تھا کہ بو علی اخلاق نہیں جانتا بلکہ میں نے کہا تھا کہ اخلاق نہیں رکھتا - اور تصنیف کرنا مستلزم داشتن (یعنی رکھنے) کو نہیں -

(۱۶۱) فرمایا تراویح پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مواظبت حکمی تھی کیونکہ اگر مانع نہ ہوتا یعنی خشیت افتراض تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مواظبت حقیقی ہی فرماتے اسلئے اس کو بھی مواظبت ہی کے حکم میں رکھا جائیگا

(۱۶۲) فرمایا ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملائکہ کا سجدہ کرنا جیسا اُنکے یعنی آدم علیہ السلام کے کمال کی دلیل ہے ویسا ہی ابلیس کا سجدہ نہ کرنا بھی اُن کے کمال کی دلیل ہے کیونکہ اگر ابلیس بھی سجدہ کرتا تو اہل کمال کو یہ شبہ ہوتا کہ شیطان کو آدم علیہ السلام سے کچھ مناسبت ضرور ہے جس کی وجہ سے اسکو اُنکی طرف میلان ہوا اور انکو سجدہ کیا - اب سجدہ نہ کرنیکی صورت میں یہ تحقیق ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور ابلیس کے درمیان کوئی مناسبت نہیں کیونکہ الجنس یمیل الی الجنس - جنس اپنی ہی جنس کی طرف راغب ہوتی ہے -

(باقی آیندہ)

کیا علماء نے اسلام کی غلط ترجمانی کی؟

(از حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہم)

سوالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

(1) میرے خیال میں جس نگاہ سے شریعت اور اتباع شریعت کو ہندوستان میں علماء دین دیکھتے ہیں وہ شرائط اسلام نہیں ہیں۔ زمانہ کی رفتار نے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت نے ملک پر انگریزوں کو حکمراں کر دیا جس وقت مسلمانوں کی اول سلطنت قائم ہوئی تھی اُس وقت کی تواریخ نکال کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ قبل از بعثت جو حالت مسلمانوں کی تھی اس سے بدتر حال دیگر اقوام کا تھا۔ مثلاً انگلستان میں مقدمات کی تحقیقات میں ثبوت جُرم کے لئے گرم کھولتے ہوئے پانی میں مُجرم کے ہاتھ ڈالے جاتے تھے اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اگر اس کے ہاتھ نہ جلے تو وہ ضرور بے گناہ ہے۔ سزا میں یہ سزا دی جاتی تھی کہ زندہ آدمی کو جلا دیتے تھے۔

بہرصورت موازنہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم عرب زمانہ کی رفتار کے موافق کوئی پس ماندہ قوم نہ تھی بلکہ اس زمانہ کی مساوی قوموں کی ہی ابتر حالت میں اسلام نے اُن کی اصلاح کی اُنکے اخلاق درست کئے توحید سکھائی اور یہ ایک نئی قوم عرصۂ روزگار میں برآمد ہوئی اور شمشیر بکف جس طرف نکل کھڑی ہوئی فتح ملکی اُن کے آگے آگے ہوتی گئی یہاں تک کہ برِّ اعظم ایشیا اور یورپ کے بڑے حصہ کو فتح کر ڈالا۔ فتح ونصرۃ ملکی میں تائید من جانب اللہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اس لئے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس قوم میں صلاحیت اور اتباع احکام خداوندی پایا جاتا ہے اُس پر اللہ کی مدد ہوتی ہے چنانچہ مسلمانوں نے فتح کر کے جو سلطنت عظیم قائم کی اس کی مثال تاریخ میں نہیں ہے۔ بعد زمانہ خلفاء راشدین کے باہم وہ نزاع شروع ہوئے اور مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے وہ شرمناک واقعہ کربلا سرزد ہوا جس کی وجہ سے قیامت تک مسلمانوں کو ندامت رہے گی۔ زوال سلطنت کے آثار شروع ہو گئے۔ لیکن چونکہ کوئی قوم سربرآوردہ اور تعلیم یافتہ صفحہ ہستی پر موجود نہ تھی اسلئے مسلمانوں کو اس حصۂ ملک میں جہاں اُن کی سلطنت قائم ہو چکی تھی امن نصیب رہا۔ فتوحات مُلکی بند تھیں اور حدود سلطنت قائم ہو گئی تھیں۔ لیکن روز بروز

آثار رواثت ظاہر تھے۔ یعنی ملک میں امن قائم رکھنے اور دوسری قوموں کے حملوں سے بچنے کی کوئی تدبیر مسلمانوں نے نہیں کی۔ ملک میں جو جو ظلم ایک ادنیٰ زمیندار اپنی رعایا پر کر سکتا تھا اُس کی مثالیں غدر سے پہلے تک پائی جاتی تھیں۔

یہانتک کہ دسویں صدی کے قریب اہل یورپ نے ترقی کرتے کرتے مصالحہ حرب یعنی باروت وغیرہ دریافت کی اور مسلمان بادشاہوں کی شامت آئی۔ جس زمانہ کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے اسکو ابتداء زمانہ قرار دیکر مسلمانوں کی حالت کا اندازہ دیگر اقوام سے کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ ابتداءِ اسلام میں مسلمان خوش اخلاق جری ہمت والے تھے۔ دوسری قومیں بزدل آرام طلب کم ہمت تھیں۔ مسلمان جہاں تھے وہیں رہے بلکہ آگے چل کر اس سے بھی گرنے گئے۔ اور دوسری قومیں ترقی کر لی گئیں یہانتک کہ روم کو لڑتے لڑتے پریشان کر دیا۔ اور اگر سلطان عبدالحمید خاں اُس تنگ میں نہ رہتے جاتے جو اس وقت سلاطین یورپ کا ہے تو بقاءِ سلطنت ناممکن تھی۔ اگر سلطانِ روم ہندوستان کا اسلام اپنے یہاں قائم کریں تو کسی کو اُن کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہ پڑے خود بخود اُن کی زوال سلطنت کیلئے کافی ہو جاوے۔ اُنھوں نے زمانہ کی ضرورت کے موافق فوج میں وہ وہ سامان کئے ہیں جنکو ہندوستان کے علماء کبھی جائز نہیں کہہ سکتے۔ اور آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اگر سلطان اس بات کا وعدہ کر لیں کہ میں علماءِ ہند کے احکام کی تعمیل کروں گا۔ اور پھر یہاں سے چند علماء ان کا طرز تمدن درست کرنے کیلئے جاویں اور وہ اپنے وعدہ کے موافق اس پر عمل کریں تو اور تو میں کہہ نہیں سکتا مگر سلطنت قائم نہ رہے

اب اگر یہ کہا جاوے کہ بلا سے سلطنت قائم نہ رہے اتباع شریعت بڑی چیز ہے۔ اور عاقبت کی درستی ہو جاوے سلطنت رہے یا نہ رہے تو ایسا جینا پراگندہ روزی پراگندہ دل کا کیا نفع ہے؟ دوسرے یہ کہ نتیجہ بس یہ نکلے گا کہ اسلام ہم کو حکومت اور سلطنت نہیں سکھلاتا ہے بلکہ ذلت اور دریوزہ گری تعلیم کرتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے پہلے مسلمانوں کی مثال اس وقت بالکل فضول ہے کیونکہ وہ رنگ زمانہ کا نہیں۔ اگر آج سلطان روم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سا طریقہ اختیار کریں یعنی بیت المال کا اونٹ تلاش کرنے خود چل دیں تو آپ دانا ہیں ذرا اندازہ کیجئے کہ سلطنت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اور ہرگز نہیں۔ یہ اُس زمانہ کے شایاں تھا کہ خود خلیفہ راتوں کو رعایا کی خبر لیتے پھرتے تھے۔ یہ وہ وقت ہے کہ ملک علم کے زور سے قائم ہے شمشیر کے زور سے نہیں۔ ایک شخص

دلاور شمشیر بکف نہایت جرأت کے ساتھ میدان میں آتا ہے لیکن ایک ہزار قدم سے ٹھنڈا کر دیا جاتا ہے۔ اور جس چیز سے ٹھنڈا کر دیا جاتا ہے اس میں ایک ذراسی دور کے اندر اس قدر گولیاں علم کے زور سے بھر دی ہیں کہ ایک منٹ میں بیس فیر کرے۔ کہاں تک خالی جائیں گے۔

افسوس کہ مسلمانوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ پانی سے وہ کام نہ لیا جس کے وہ شایاں تھا۔ بس پیاس میں پی لیا۔ وضو کیا۔ غسل کیا۔ طہارت کی۔ اب وہی پانی ہے کہ جس سے بھاپ پیدا ہوتی ہے۔ اور جو کام ایک ہزار آدمیوں کی قوت سے نہیں ہو سکتا اس کو ایک آدمی کرتا ہے۔

بھلا اس میں کون بات خلاف شریعت ہے جو کبھی مسلمانوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ یا ایک دوسروں کو دیکھکر نہیں کرتے۔ یہ ایک ادنیٰ سی مثال میں دیتا ہوں۔ اس طرح دنیا میں ایک ایک چیز کی بابت اس وقت کوئی ہو تو ایک دفتر لکھ ڈالے۔ وہ کونسی چیز ہے کہ مسلمانوں نے استعمال نہیں کی اور جس کا استعمال اُنھوں نے اپنے جسم فانی تک محدود نہیں رکھا۔ اپنے ابنائے جنس کو نفع پہنچانے کے لئے اس پر ذرا بھی غور نہیں کیا۔ یہ بات مسلّمہ ہے کہ قیامت کے دن ذرا ذرا چیز سے حساب لیا جاوے گا۔ میرا تو قریب قریب یہ عقیدہ ہے کہ جس شخص نے ایسی بے ترکیبی کے ساتھ اللہ کی نعمتوں کو استعمال کیا وہ ضرور مستوجب جواب دہی ہے۔

اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کس چیز کو شرط اسلام قرار دیا جاتا ہے۔

جس چیز کی طرف مسلمانوں کو بلایا جاتا ہے وہ اس سے اتنی دور نکل گئے ہیں کہ اُن کے کان میں اُس کی آواز بھی نہیں جاتی۔ میں تو پردیسی رہ کر اس تماشہ کو دیکھ رہا ہوں۔

جو باتیں ہمارے علماء دین و پیشوایانِ مذہب تعلیم کرتے ہیں اُن میں زمانۂ موجود کے موافق ذلت و خواری کے سوا یہاں تو کچھ نظر نہیں آتا۔ عاقبت میں اگر بہشت اور حوریں ملیں تو اللہ سے اُمید رکھیں لیکن اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دنیا میں نکبت کی ساتھ بسر کرنا عاقبت کی درستی کو لازم ہے۔ اگر فی الواقع ایسا ہے تو صاف الفاظ میں یہی کہنا چاہئے۔ خواہ مخواہ یوں کیوں کہا جاتا ہے کہ بقدر ضرورت دنیا بھی حاصل کرو۔

ہم کہتے ہیں کہ بقدر ضرورت بھی دنیا حاصل نہیں اس طریقہ سے جو ہم کو اس وقت علماء دین تعلیم کرتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص کو کتابیں پڑھا کر عالم بنایا آپ خود متفکر ہیں کہ وہ اب کیا کرے؟

پچھلی مرتبہ یہ رائے تھی کہ ان کو حرفت سکھلائی جاوے تو وہ بھی کیا؟ بڑھئی کا کام یا لوہار کا کام۔

آپ میں نہایت ادب سے گذارش کرتا ہوں کہ بڑھئی کا کام اور لوہار کا کام سکھلانے اور تار برقی اور ریل کے ہانکنے کا کام یا اسٹیم بنانے کی ترکیب سکھلانے میں شرعاً کیا فرق ہے؟ فرق ہے تو اتنا کہ خود مولوی صاحب نہیں جانتے دوسرے کو کیا سکھلادینگے؟ لیکن لوہار بڑھئی کا کام سکھلانے کیلئے بھی تو انکو بڑھئی نوکر رکھنے پڑیں گے تو پھر دوسرے فنون سکھلانے والے کیوں نہ نوکر رکھے جاویں؟ مگر بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر کوتہ اندیشی اور پست حوصلگی اس قدر آگئی ہے کہ اُن کی نگاہ ہی اوپر نہیں جاتی۔

میری تو اب یہانتک شامت آگئی ہے کہ میں ان مدارس عربیہ پر اعتراض کرتا ہوں اور اُن کو بہ حیثیتِ موجودہ کارِ خیر نہیں سمجھتا اور اس کے ساتھ الحمدللہ کہ مسلمان ہوں اور اپنے اللہ سے قوی اُمید ہے کہ مجھکو مسلمان رکھیں گے۔ اب سُنئے کہ میں مدارس عربیہ پر کیا اعتراض رکھتا ہوں۔ قرآن کے احکام کے موافق آپ کے اوپر پہلے اپنے اقارب، پھر پڑوسی، پھر شہر والے، پھر ملک والے، پھر ابن السبیل کے حقوق ہیں۔ اب آپ ان مدارس کو دیکھئے کہ ان سے کسکو نفع پہنچتا ہے؟ ہمارا یہ کام نہیں کہ جو آیا اُس کو پڑھادیا بلکہ یہ کام ہے کہ وہ مفید طرز اختیار کریں جس سے ہمارے بھائیوں کو نفع پہنچے۔ مجھ سے ایک صاحب ملنے آئے جو علماء کے بڑے معتقد ہیں اور ہمیشہ علماء کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور بڑی خدمت کرتے ہیں۔ میرا خیال اُن کے طرز سے یہ ہے کہ اُنھوں نے زیارت علماء کو اپنے روزمرہ میں داخل کر رکھا ہے۔ میں نے اُن سے سوال کیا کہ وضو میں کتنے فرض اور کے سنت ہیں؟ حالانکہ اُنھوں نے تسلیم کیا کہ وہ اٹھتالیس برس سے نماز پڑھتے ہیں لیکن بیچارے اس کا جواب نہ دے سکے۔ تو میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ مہینے میں ایک آدھ مرتبہ تو کسی مولوی سے ملتے ہوں گے۔ اُنھوں نے کہا کہ جناب میں تو روزانہ حاضر ہوتا ہوں۔ تو میں نے پوچھا کہ بھلا تم کو کسی نے یہ بتلایا کہ وضو میں کے فرض اور کے سنت ہوتے ہیں۔ اگر کہیں سفر میں ہو اور صرف پاؤ بھر پانی ملے تو وضو کیسے کرے؟ غرض میں نے ان کو بتلایا اور چند مسائل اور بتلائے تو اُنھوں نے نہایت شکرگذاری کے ساتھ یہ تسلیم کیا کہ مجھ کو عالموں کی صحبت سے اتنا نفع نہیں ہوا جتنا آپ کی چند باتوں سے ہوا؟ میں اس مثال سے اپنی تعریف کرنا نہیں چاہتا بلکہ علماء کی حالت کا اظہار آپ پر کرتا ہوں کہ ان کی حالت قابل اصلاح ہے۔ اگر یہ درست ہوں گے تو ہم لوگ خود بخود ٹھیک ہو جاویں گے

نصاب تعلیم پر آج سے دس برس پہلے کوئی اعتراض نہ تھا اور بڑے بڑے عالم گذر گئے کبھی آپ نے کسی کی زبان سے سنا کہ عربی کا نصاب تعلیم ناقص ہے؟ اور اس میں اوقات ضائع ہوتی ہیں؟ یا مدارس عربیہ کے اندر لوہار بڑھئی کا کام سکھلانا ضرور ہے؟ یہ نئے علماء جو اس وقت پیدا ہوئے ہیں اُن کو البتہ یہ بات سوجھی ہے۔ جناب من علماء موصوفین کے ہم عصر اگر کوئی موجود ہوں گے تو اُن کو ان اعتراضات پر جو اُس وقت کے علماء نصاب دین پر کر رہے ہیں ویسا ہی اعتراض ہوگا جیسا کہ اس وقت کے علماء کو کوٹ پتلون پہننے والوں پر ہے۔ یہ تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ خود علماء میں کتنا انقلاب ہے کہ۔

جن باتوں کو آج سے دس برس پہلے حرام مطلق بتلاتے تھے اب اُنکے جواز کے فتوے دئے جاتے ہیں۔ آخر یہ کیوں؟ زمانہ کی حالت سے جوں جوں خبر ہوتی جاتی ہے کہتے جاتے ہیں

مگر ہمارے علماء نے گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے اسلئے زمانہ سے جلد جلد خبردار نہیں ہوتے۔ اگر باہر پھریں اور مسلمانوں کے بچوں کا حال دیکھیں اور پھر اندازہ کریں کہ یہ کس حد پر پہنچ گئے ہیں تو شاید کوئی طریقہ ان کی اصلاح کا سمجھ میں آجاوے لیکن اس قدر عرصہ کے بعد سمجھ میں آویگا کہ شاید پھر علاج کا موقعہ بھی نہ ہے۔

تعلیم علوم دین مبنی ہے تین چیزوں پر۔ اعتقادات[۱]۔ عبادات[۲]۔ معاملات[۳]۔ بلکہ آپ تو فرماتے ہیں کہ شرط اسلام یہی چیزیں ہیں شاید تصوف وغیرہ دو چیزیں اور شامل کی ہیں۔ بہر صورت ان تین چیزوں کا نام ضرور اسلام ہے۔ اعتقات کا کوئی نصاب نہیں۔ یہ قائم رہ سکتا ہے عبادات اور معاملات سے۔ اب رہے معاملات۔ بڑا حصہ اُن کا لازم ہے سلطنت کو۔ جس کی سلطنت اُس کے قانون کے موافق معاملات ہوں گے۔ اب آجکل کوئی زنا کرے تو سنگسار نہیں کیا جاتا۔ چوری کرے تو ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ اچھا اب فرض کیجئے کہ کسی نے زنا کیا تو نالش کرنے والا کیا کرے؟ آٹھ آنہ اسٹامپ پر عرضی دے۔ یہ طریقہ شریعت میں کہاں لکھا ہے؟ پھر حلف سے اپنا اظہار لکھا دے۔ حلف بھی کیا کہ جو گواہی میری روبرو عدالت میں ہوگی وہ بالکل سچ ہوگی۔ سوائے سچ کے جھوٹ نہ ہوگی۔ خدا میری مدد کرے۔ اُس کے بعد شہادة پیش ہوئی۔ جس کی ساتھ زنا کیا وہ ڈاکٹر کے ملاحظہ کے لئے بھیجی گئی۔ اگر سب طرح ثابت ہوگیا تو چار مہینے کی قید اور دو سو روپیہ جرمانہ۔ اور جرمانہ میں سے ایک سو پچاس روپیہ بطور معاوضہ مدعی کو دیا جاوے۔ اب ذرا غور تو کیجئے کہ یہ معاملہ اول سے آخر تک کسی

مرتبہ میں بھی شریعت کے موافق ہوا؟ اور یہ جو ڈیڑھ سو روپیہ ان حضرت کو ملے وہ کب جائز ہوئے؟ باایں ہمہ یہ روزمرہ ہو رہا ہے۔ اور شاید علماء کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ یہ ایک ذرا سی مثال ہے۔ اس سے بڑھ کر معاملات ہو رہے ہیں۔ تو اب جن طالب علموں کو یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں کہ اس جرم کی سزا یہ ہے اور اس کی یہ۔ وہ اُن کے کس کام آویگی؟ جبکہ معاملات کا تصفیہ قوانین موجودہ کے مطابق ہوتا ہے اب جس شخص نے مقدمۂ زنا میں یہ حکم دیا وہ مصداق ہے

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کا یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کرے وہ مجرم ہے

لیکن کیا کسی کا خیال اس طرف منتقل ہوا ہے کہ جس شخص نے نالش کی وہ بھی مُجرم ہوا۔ کیونکہ وہ تو جانتا تھا کہ شرع کے مطابق حکم نہ ہوگا۔ اب کہنا چاہیے کہ بیشک وہ بھی مُجرم ہوا تو اب کیا علاج؟ علاج یہ کہ خاموش گھر میں بیٹھو۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر مسلمانوں کی حالت کا اندازہ کیجئے کہ یہ کیا کریں۔ انھیں تو اللہ میاں اس جہان سے اُٹھا لیں تو ان کی نجات ہو۔ غرض بڑے معاملات تو حکومت کی ساتھ گئے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے معاملات روزمرہ کے۔ اُن کے احکام اردو کی کتابوں میں موجود ہیں۔ جو بچوں کی تعلیم کے نصاب ابتدائی میں داخل ہیں یا داخل کرنے چاہئیں۔ عبادات کا باب نہایت مختصر ہے۔ روزہ کے احکام قرآن کے ایک رکوع میں ہیں۔ اسی طرح نماز کے احکام اردو کی ایک کتاب میں موجود ہیں۔ حج اور زکوٰۃ کی بڑے ہو کر ضرورت ہوتی ہے۔ اور اُن کے مختصر احکام ہیں۔ اس مختصر کو اتنا طول دیا ہے کہ بچوں کے دس برس اس میں خرچ ہوتے ہیں اور جب طیار ہو کر نکلتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ اب کیا کریں۔ اگر کچھ تعلیم کی عمر باقی ہے اور کچھ حمیت کا تقاضا بھی ہے تو جلدی سے طب پڑھ لی اور معاش کا ایک ذریعہ نکال لیا۔ [۱۴] اور اگر کہیں عمر ہو چکی ہے جیسا کہ کثرت سے واقع ہوتا ہے تو سیدھے مسجد کی راہ لی۔ اور جو کچھ پھر یہ لوگ کرتے ہیں آپ کو مجھ سے زیادہ تجربہ ہے۔ میں لکھنا کیا چاہتا تھا اور لکھ گیا کیا؟ میں اپنا حال عرض کرنا چاہتا ہوں۔

[۱۵] میں کوٹ پتلون۔ یا یوں کہیے کہ پورا انگریزی لباس پہنتا ہوں سوائے ٹوپی کے، کہ وہ ترکی ہے اس ٹوپی کے اختلاف سے یہ لباس ہمارا قومی بن جاتا ہے۔ اور اگر اس بات کو کوئی اس وقت تسلیم نہ کرے تو دس برس بعد اس کو خود پہننا پڑے گا۔ میں اس بات کو ایسے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ مجھ کو

اس میں کچھ بھی وسوسہ نہیں۔ اب مجھ سے ارشاد ہو کہ اگر یہ لباس خلافِ شریعت ہے اور ترک کرنا چاہیے تو مجھ کو یہ بھی بتلایا جاوے کہ کیا پہنوں؟ جو کام مجھ کو کرنا پڑتا ہے اور جو اللہ نے میری تقدیر میں لکھ دیا ہے اور جس کے کرنے پر قضا و قدر سے مجبور رہوں۔ وہ ایسا ہے کہ مجھکو چار گھنٹہ گھوڑے کی پیٹھ پر۔ اور تین گھنٹہ بائیسکل پر (اگر بائیسکل نہ ہو تو پھر دوسرے گھوڑے پر) شہر اور اطرافِ شہر میں پھرنا پڑتا ہے اور یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ مجھ کو بیس میل کا یومیہ سفر ہو جاتا ہے۔ جو پاجامہ میں سواری میں پہنتا ہوں وہ اُس کپڑے کا ہے جو ہاتھ سے نہیں پھٹ سکتا تاہم اس قدر جلد گھس گیا کہ جس پر مجھ کو خود تعجب ہے۔ ڈھیلے پائنچے یا لٹھہ کا شرعی پاجامہ ایک دن مشکل سے کام دے سکتا ہے۔ اس بات کا یقین آپ صرف اُس صورت میں کر سکتے ہیں کہ آپ مجھ کو سچا آدمی خیال فرمائیں ورنہ بلا تجربہ کے اس کا یقین ہونا مشکل ہے۔ پتلون اور پاجامہ میں جو فرق سواری کے اندر ہے وہ تجربہ پر موقوف ہے اس کا بیان کرنا مشکل ہے پہلے لوگوں کا اگر حوالہ دیا جاوے تو میں نصابِ تعلیم کا حوالہ دوں گا۔ میرا لباس یوں نہیں تبدیل ہوگا بلکہ اُس کی ترکیب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا ہی کام کرکے دکھلاوے اور پاجامہ انگا چوغہ دوپٹہ پہنے اور اگر وہ کامیاب ہو تو میں قسم کھاتا ہوں کہ فوراً لباس تبدیل کر دوں گا۔ عبادات میں روزہ میں رکھتا ہوں زکوٰۃ دیتا ہوں۔ حج کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ پورا کرنے والے ہیں۔ نماز جماعت کی تو کیا؟ پابندی وقت سے بھی ادا نہیں ہوتی صبح کی نماز پہلے سے قضا پڑھتا ہوں۔ اور میں جانتا ہوں کہ بُرا کرتا ہوں اور اس کی اصلاح میں کوشش کر رہا ہوں

لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تاکید وقت کی فرمائی ہے لیکن امام شافعی صاحب نے جمع بین الصلوتین کا ایک خاص موقع پر فتویٰ دیا ہے۔ اور حضرت ابو داؤد صاحب نے صرف لوگوں کے حرج ہونے پر جمع صلوٰۃ کا ذکر کیا ہے۔

میں اخیر میں پھر اس قدر بیان کرتا ہوں کہ یہ عریضہ میں نے تین بجے رات کو لکھنا شروع کیا اور اڑھائی گھنٹہ میں ختم کیا۔ لیکن اس میں ایک لفظ بھی میرا آورد نہیں ہے۔ قلم سے یوں ہی نکلتا چلا گیا میں اس کو پڑھ کر دیکھتا ہوں تو اس کا بھیجنا داخلِ گستاخی سمجھتا ہوں۔ لیکن صرف ایک خیال مجھ کو اس کے بھیجنے پر مجبور کرتا ہے وہ یہ کہ طبیب کے سامنے اپنا مرض بیان کرنا داخلِ گستاخی نہیں ہے۔ مثلاً کسی شخص کے سامنے اپنے اعضائے نہانی کھولنا سخت بیجا ہے۔ لیکن اگر کسی کے کوئی پھوڑا ایسے مقام پر نکل آوے

تو بلا تامل حکیم صاحب کو دکھلانا ہے اور اگر حکیم صاحب کو دکھلانے میں یہ شخص اتنا ہی تامل کرے جتنا کہ معمولی طور عام آدمی سوچ کرتا تھا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ زخم اندر ہی اندر سڑ کر ناسور کرے گا۔ اور اس شخص کی جان جاتی رہے گی میرا عقیدہ اور میرے خیالات جیسے کچھ ہیں اُن کو صرف اس نظر سے پیش کرتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو میری اصلاح کیجئے اور اگر میری اس پریشان تحریر میں آپکے نزدیک کوئی کام کی بات ہو تو لِللہ اسپر توجہ کیجئے۔ وقت ایسا نازک ہے کہ مسلمان تباہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور اُن کی کوئی خبر نہیں لیتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپکے کلام میں اثر دیا ہے۔ اگر آپکے نزدیک میں سچ کہتا ہوں تو اس کو سنئے اور اگر غلطی پر ہوں تو میری اصلاح کیجئے۔ آخر آپکا ہوں مجھکو بچائیں کہ قیامت کے دن فضیحت نہ ہوں۔ اگر آپکے نزدیک میری فلاح اس میں ہو کہ میں نوکری چھوڑ دوں تو مجھکو صاف صاف ہدایت کیجئے ورنہ میں تو من وعن آپ پر ظاہر کر چکا۔

اب میں اپنے عیوب کھولنے پر آیا تو ایک اور بات بھی لکھ دوں کیوں شبہ کو اپنے دل میں رکھوں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاص عرب کی اصلاح کے لئے بھیجا تھا یا ساری دنیا کی اصلاح کیلئے۔ میرا خیال یہ ہے کہ صرف قوم عرب کی اصلاح کے لئے۔ کیونکہ اس زمانہ کے عرب اپنی زبان میں بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ اُن کے لئے قرآن زبان عربی میں نازل فرمایا جس سے اُن کو یقین ہو گیا کہ وہ کلام بشر نہیں ہے اور اُن کو ماننا پڑا۔ اور تمام عمر جناب پیغمبر خدا اسی قوم میں رہے۔ اور جب اُن کی تکمیل ہو چکی آپنے وفات فرمائی۔ دیگر اقوام نے آپکے قرآن کو اُس بنیاد پر نہیں مانا تھا جسپر کہ عرب نے مانا تھا بلکہ ان لوگوں کو قوم عرب نے بزور شمشیر زیر کیا اور اُن کو زبردستی مسلمان کیا۔ اُنھوں نے آپ سے معجزے طلب نہیں کئے اور نہ مثل عرب کے قرآن پر ایمان لائے۔ فتوحات میں دو اقسام ہوئیں۔ ایک وہ جنھوں نے عاجز آکر اور مقابلہ کی تاب نہ لاکر اسلام قبول کیا۔ دوسری وہ جنھوں نے امن مانگی اور اپنے دین پر قائم رہ کر جزیہ دینا قبول کیا۔ ان پر حجت اسلام پوری نہیں ہوئی۔

سب سے بڑی بات غور طلب یہ ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم تمام جہان میں تشریف نہیں لیگئے اور بہت لوگوں کو اُس وقت بھی آپ کے پیغمبر ہونے کی خبر نہیں ہوئی۔ ہندوستان میں اسلام بہت زمانہ کے بعد آیا۔ پھر جو ہندو یہاں رہتے تھے اُن کی ہدایت کیا ہوئی۔ اور یہی حال امریکہ اور افریقہ اور بڑے حصہ یورپ اور ایشیا کا تھا۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فرقہ کے اندر پیدا کیا اور اسی میں وہ مرگئے۔ فقط

جوابات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ - وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

بعد حمد وصلوٰۃ کے احقر نے مخاطب عزیز کی تمام تر تقریر کو کئی بار دیکھا ۔ چونکہ مثل اظہار مرض کے تشخیص مرض وتعیین اسباب میں بھی معالج کو شرم کرنا مضر ہے اسلئے ضرور ٹھیرا کہ آزادی کی ساتھ کلام کیا جاوے - اسلئے اولاً اجمالی طور پر اسباب کو متعین کرنا ضروری سمجھتا ہوں - جہاں تک تقریر مذکور کو دیکھا اور بڑا معلوم ہوا کہ منشا ان خیالات کا صرف دو امر ہیں - اول علم شریعت میں مہارت کاملہ نہ ہونا - دوسرے لامذہبوں کی تقریریں اور تحریریں سننا اور دیکھنا - اسلئے علاج کلی تو یہ ہے کہ بقدر فرصت کسی قدر توجہ کرکے کم از کم ترجمہ قرآن مجید - و مشکوٰۃ شریف کے بعض ابواب - اور فقہ کی ایک پوری کتاب کسی سمجھدار آدمی سے پڑھ لئے جاویں - اور مدعیان تحقیق وتہذیب جدید کی تقریرات وتحریرات کو سمع وبصر تک نہ آنے دیا جاوے - اور جزئی علاج یہ ہے کہ تقریر مذکور کے جواب کو جس کو بعد اجمال ہذا کے تفصیلی طور پر لکھنا چاہتا ہوں بغور وانصاف خالی الذہن ہو کر دیکھا جاوے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ سب شبہات دفع ہو جاویں گے - اور اصلاح عقیدہ تو فی الفور - اور اصلاح عمل بتدریج حاصل ہو جاوے گی - اب وہ جواب تفصیلی سننا چاہیئے

جواب شبہ ۱ سب سے اول مخاطب عزیز نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ

"جس نگاہ سے شریعت اور اتباع شریعت کو ہندوستان میں علمائے دین دیکھتے ہیں وہ شرائط اسلام نہیں ہیں - اور اس کو تاریخی دلائل سے جس سے انقلاب اقوام کا معلوم ہوتا ہے ثابت کیا ہے"

مقام انصاف ہے کہ جن لوگوں کی تمام عمر ایک علم کی تحصیل وترقی میں گذر گئی ان کی نگاہ جب قابل اعتبار نہیں تو ایک مورخ کی نگاہ احکام شریعت کی تحقیق میں کس طرح لائق اعتماد ہوگی ؟ پھر یہ کہ عالم دین تو اپنے ہر دعوے کے اثبات کے لئے قرآن مجید کی آیات ، اور حدیث شریف کی روایات جو اللہ ورسول کا کلام صادق ہے پیش کریں - اور مورخ صرف اپنی رائے اور قیاس سے استدلال کرے پھر بھی عالم کا قول معتبر نہ

اور صاحب رائے کی رائے کو ترجیح ہو۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اہل الرائے کی نظر سے ابھی جمال شریعت محجوب ہے۔ اور جس قدر پیش نظر ہے وہ محض ایک ناخن ہے "لیلےٰ[1] را بچشم مجنوں باید دید" کا یہی مطلب ہے میں صرف اسی مجمل انصاف پر قناعت نہ کرونگا بلکہ اس تاریخی دلیل کی حالت دکھلاؤں گا۔

خلاصہ اس واقعۂ تاریخی کا صرف مسلمانوں اور دیگر اقوام کی حالت کا موازنہ کرنا ہے۔ اور بدون نئے رنگ کے اسلامی سلطنت کا قائم نہ رہ سکنا ہے۔ سو اقوام کی ترقی و تنزل کی بحث۔ اور اس کے اسباب کی تعیین۔ یہ محض زائد مضمون ہے۔ البتہ دوسرا امر قابل توجہ ہے کہ بدون اس نئے رنگ کے حکومت کلیۃً قائم نہ رہ سکنا۔ اور قومی تاریخ کے لکھنے سے بھی مخاطب عزیز کا مقصود یہی ہے

سو یہ امر اب تک میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کونسا نیا رنگ ہے جو علماء ہند کے نزدیک خلاف شریعت ہے اور اس پر قیام سلطنت ہے؟ اگر مراد اس سے جدید سامان حرب و حفاظت حدود ہے۔ سو اس کو کون سے ہندوستانی عالم نے خلاف شریعت بتلایا ہے؟ اگر مسئلۂ التشبہ[2] سے شبہ پڑا ہے سو مسئلۂ تشبہ کا اول تو ہندوستانی علماء کا ایجاد نہیں ہے۔ قرآن مجید میں موجود۔ حدیث میں مذکور۔ تمام دنیا کے علماء اس میں شریک اور اگر کوئی عالم رومی روسی اسکے مخالف ہو، وہ قرآن و حدیث کا مخالف ہو کر متروک القول قرار دیا جاوے گا۔ پھر یہ کہ سامان حرب مسئلۂ تشبہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور یوں ہی مسئلۂ تشبہ" کی تحقیق نہ ہونے سے شبہ پڑ جاوے وہ اور بات ہے۔ بہرحال جس پر بقائے سلطنت موقوف ہے (یعنی سامان حرب جدید قسم کا بنانا) اسکو مسئلۂ تشبہ سے کوئی علاقہ نہیں۔ اور اگر مراد اس سے میز کرسی پر کھانا کھانا۔ مکانات میں تصاویر کا لٹکانا وغیرہ ہے۔ تو اس کو بقائے سلطنت سے کوئی علاقہ معلوم نہیں ہوتا۔ بہرحال وہ نیا رنگ سمجھ میں نہیں آتا جس کو اہل فتویٰ حرام کہتے ہوں اور سلطنت بدون اس کے قائم نہ رہ سکے۔ اور اگر واقع میں کوئی ایسا نیا رنگ ہے جو خلاف شریعت بھی ہے اور بقاء سلطنت کا موقوف علیہ بھی ہے اور "پراگندہ روزی پراگندہ دل" سے بچنے کے لئے اس نئے رنگ کو گوارا کیا جاتا ہے۔ تو خود مخاطب عزیز تھوڑی دیر کے لئے حق جل وعلا شانہ کے تعلقات و حقوق۔ اور سلطنت و ثروت کے فانی ثمرات کو میزان عقل و انصاف میں تول کر دیکھ لیں کہ کس کا پلہ بھاری ہوتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ڈکیتی قانوناً جرم ہے لیکن اگر کوئی شخص اسی قاعدہ کی بنا پر کہ "ہم ایسا قانون لیکر کیا کریں گے جس سے پریشانی ہو اور مال کی تنگی ہو" برابر ڈکیتی کیا کرے۔ اور گورنمنٹ کی

---

[1] یعنی لیلےٰ کو مجنوں کی آنکھ سے دیکھئے ۱۲ [2] یعنی یہ کہ غیر اقوام کیساتھ مشابہت اختیار کرنا حرام ہے ۱۲

ناراضی کا مطلق پاس نہ کرے اُس شخص کیواسطے عقلاً کیا حکم کیا جاویگا۔ کیا اسکے لئے ڈکیتی کو جائز کہا جاویگا؟ یا اس افلاس کو جو حاکم وقت کی خوشنودی کے ساتھ ہو۔ اُس ثروت سے جو ارتکاب جرم کی ساتھ ہو ہزار لاکھ درجہ افضل کہا جاوے گا۔ پھر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدر گورنمنٹ کی برابر بھی نہو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسا وقت آوے کہ بلا کفر اختیار کئے ہوئے سلطنت قائم نہ رہ سکے تو مسلمان رہ کر مر جانا اچھا ہے یا کافر ہو کر زندہ رہنا؟ اور پھر آخری بات یہ ہے کہ اگر باوجود فسق و کفر اختیار کر لینے کے بھی تمام اقوام متفق ہو کر کسی خاص قوم کی سلطنت چھین لیں۔ اور فسق و کفر بھی آڑ نہ بن سکے تو اسوقت "پراگندہ روزی پراگندہ دل" کا کیا علاج ہو گا۔ ؟

عزیز من مال و جاہ مقصود بالعرض ہے۔ مقصود اصلی "رضائے حق" ہے۔ اگر رضائے حق کیساتھ اُن دونوں کی حفاظت ہو سکے تو مضائقہ نہیں۔ ورنہ وہ دونوں کتنے روز کام آویں گے؟ اور پھر آخری انجام کیا ہو گا؟ کیا مریض کو بد پرہیزی سے روکنا ناگوار نہیں ہوتا۔ کیا اس کا دل پریشان نہیں ہوتا۔ مگر صرف عاقبت اندیشی کی وجہ سے نعمت صحت کو اس عارضی لذت "بد پرہیزی" پر ترجیح دیجاتی ہے۔ اور طبیب شفیق اس ناگواری و تنگی کی ذرہ برابر بھی پروا نہیں کرتا۔

اس کے بعد جو دوسرا نتیجہ نکالا کہ

"اسلام ہم کو حکومت اور سلطنت نہیں سکھلاتا بلکہ ذلت اور دریوزہ گری سکھلاتا ہے"

فی الواقع اسلام ایسی سلطنت نہیں سکھلاتا جس کا انجام نار جہنم ہو۔ اور اگر ایسی سلطنت کی بھی جائز ہو تو بس قیامت کے روز فرعون بھی عرض کر دے گا کہ مجھکو تجربہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر میں خدائی کا دعویٰ نہ کرتا تو میری حکومت جاتی رہتی۔ لوگوں میں ذلت خواری ہوتی۔ بقائے سلطنت کے لئے میں عمر بھر یہ دعویٰ کرتا رہا۔ کیا یہ عذر اس کا مقبول ہو گا؟

اور علیٰ سبیل التنزل میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص نہایت عرق ریزی کر کے یہ بات ثابت کر دے کہ "بقائے سلطنت ضروری ہے۔ اور وہ بدون ارتکاب معصیت کے ناممکن ہے"۔ تو اس کی ضرورت بقا کو مانکر کہا جاویگا کہ یہ مسئلہ اکراہ کا ہے۔ شریعت نے اس کا قانون بھی مقرر کر دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض مجبوریوں میں ارتکاب ظاہری کی اجازت ہو گی۔ مگر قلب سے کراہت و نفرت شدید ضروری ہے کیونکہ شرح صدر و طیب کی تو کوئی ضرورت نہیں۔ نہ کسی مخلوق کو اس کا علم ہے جو اس شخص سے کراہت

قلب پر مواخذہ دار و گیر کر سکے - غرض پھر بھی مخالفتِ شریعت کی اجازت نہ ہوئی جو مخالفت ظاہر میں ہوئی ہے وہ بھی قانونِ اتباع میں داخل ہو گئی -

مگر میں پوچھتا ہوں کہ اگر ایسی مجبوری ہو گی تو سلاطین کو ہو گی - ہم عوام الناس کی کونسی حکومت و سلطنت ہاتھ سے نکلی جاتی تھی کہ ہم کو بھی ارتکابِ مخالفت کی ضرورت پڑی - غرض سلاطین کی مجبوری ہمارے لئے مفید مطلب نہیں ہو سکتی - اس کے بعد جو لکھا ہے کہ

"اگر سلطانِ روم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سا طریقہ اختیار کریں تو سلطنت نہیں کر سکتے"

سو اول تو یہ حکم رجماً بالغیب قابل تسلیم نہیں ہے کہ "وہ سلطنت نہیں کر سکتے" اگر کوئی شخص اسکے مناقض دعوی کرے کہ "زیادہ خوبی کیساتھ سلطنت کر سکتے ہیں" تو اس کی تکذیب کی کیا دلیل ہے؟ اور اگر بالفرض مان بھی لیا جاوے اجب بھی ہم کو مضر نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ میں دو قسم کے اُمور ہیں - ایک وہ جو فرض و واجب ہیں اُن کی پابندی تو کسی حال میں مضر سلطنت ہرگز نہیں دوسرے وہ جو شرعاً ضروری نہیں - مثلاً رات کو گشت کرنا وغیرہ وغیرہ - سو شریعت نے اس کا مکلف ہی نہیں بنایا - غرض جو امر شرعاً ضروری ہے وہ مضر سلطنت نہیں - اور جو مضر سلطنت سمجھا جاتا ہے وہ شرعاً ضروری نہیں - سو یہ دعوی کیسے ثابت ہو کہ فتوی شریعت پر عمل کرنے سے سلطنت نہیں کر سکتے - ؟

جواب شبہ ۲۲ اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ

"اس وقت ملک علم سے قائم ہے شمشیر سے نہیں اور اس کو بارود گولے کی ایجاد سے ثابت کیا ہے"

عزیز من اول تو جیسا بارود گولے کا علم ہے شمشیر زنی کا بھی علم ہے - اور اگر شمشیر زنی کو علم نہیں کہا جاتا تو گولہ بازی کو علم کہنے کی کوئی وجہ نہیں - غرض یا تو پہلے زمانہ میں بھی ملک کو علم سے قائم کہا جاویگا - یا اس زمانہ میں بھی علم کا دخل نہ مانا جاوے گا - پھر اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ وہ علم نہ تھا یہ علم ہے - تو اس سے کیا مطلب حاصل ہوا ؟ ان علوم کو کسی مفتی ہندی نے خلاف شریعت بتلایا ہے جس کی وجہ سے تنزل کا الزام فتوے علماء ہند پر لگایا جاوے -

جواب شبہ ۲۳ رہا یہ افسوس کہ

"مسلمانوں نے اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کی - اور بے قدری کی یہ دلیل کہ پانی سے وہ کام نہ لیا جس کے وہ شایاں تھا - بس پیاس میں پی لیا - وضو کیا غسل کیا - طہارۃ کی"

مخاطب عزیز کی خوش فہمی کے اعتبار سے نہایت تعجب خیز تقریر ہے - اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وضو و غسل وغیرہ سے بڑھکر وہ کام ہے جو اس سے اب لیا جا رہا ہے - بس اس کے متعلق استادیافت کرنا ہے کہ اگر واقع میں یہ جدید صنعتیں بہ نسبت وضو و غسل و طہارۃ کے زیادہ اہتمام کے لائق ہیں تو حق جل وعلا شانہ نے حضرات انبیاء علیہم السّلام کے ذریعہ سے ایسے کم درجہ کے فوائد تو کس اہتمام سے تعلیم فرمائے - اور ان صنائع سے ہزاروں سال تک اپنے بندوں کو اطلاع نہ دی - اس کی کیا وجہ ہے؟ دوسرے یہ کہ قیامت میں بقول مخاطب عزیز کے "اُن لوگوں سے جب سوال بے ترکیبی کا غالباً ہوگا جنہوں نے صرف طہارۃ و غسل وغیرہ میں پانی کا استعمال کیا" تو ضرور ان لوگوں کے بڑے درجے ہو گئے جنہوں نے جدید صنائع میں کام کیا - گو ایک وقت بھی نماز نہ پڑھی ہو، گو عمر بھر جنابت و خباثت میں گذری ہو - کیونکہ عملِ اعلیٰ کے روبرو عملِ ادنیٰ کالعدم ہے - تو اس بنا پر رات دن کی عبادت کرنے والے کندۂ دوزخ ہوں گے - اور فُسّاق و فجّار بلکہ کفار بھی نعوذ باللہ مقیم جنت ہوں گے - کیا سچ مچ کسی حساب و کتاب کا اعتقاد رکھنے والے کا دل اس کو قبول کرتا ہے؟

جواب شبہ ۴ رہا یہ سوال کہ

"مسلمانوں نے اس طرف کیوں توجہ نہ کی"

اس کو اصل مقصود سے کہ دعویٰ وجوب اتباع شریعت ہے کچھ تعلق نہیں ہے - نہ آج تک کسی نے ان امور کو خلاف شریعت کہا - پھر خواہ اُس کی کچھ ہی وجہ ہو - بلکہ اگر ہم سُستی و کاہلی ہی کو اس کا سبب قرار دیں لیں جیسا کہ مقصود سوال کا ہے تب بھی ہم کو اپنے اصلی دعوے سے کہ اتباع شریعت واجب ہے، دست بردار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں - اسلئے اس میں گفتگو کرنا محض لاحاصل ہے

جواب شبہ ۵ اس کے بعد مقاصد اسلام سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے - یہ اور زیادہ تعجب انگیز بات ہے - اسلام کے احکام و مقاصد تو اس قدر مشہور و معروف ہیں کہ شاید مخالفینِ ہند و منکرینِ اسلام بھی اسکو جانتے ہوں گو کسی وجہ سے نہ مانتے ہوں -

جواب شبہ ۶ رہا یہ امر کہ

"جس چیز کی طرف مسلمانوں کو بلایا جاتا ہے وہ اس سے بہت دور نکل گئے ہیں"

عزیز من یہ شامت مسلمانوں کی ہے کہ اپنے مالکِ حقیقی کے احکام سے ایسے اجنبی ہو گئے ہیں۔ تو کیا اُن کی حالت متغیر ہو جانے سے اسلام کو چاہیئے کہ اپنی حالت متغیر کر کے لامذہبی کا نام اسلام قرار دیدے۔ جس سے وہ مسلمانوں میں ضرور شمار کئے جاویں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ احکام اسلام کی اس قدر کافی تکمیل ہو چکی ہے کہ قیامت تک اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ جو کوئی اُس کو مانیگا نجات ہوگی۔ نہ ماننے کا خسران ابدی میں مبتلا ہوگا۔ اگر تعلیم احکام کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ لوگوں کے حالات سے اسکو بہت بُعد نہ ہو تو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم و جمیع انبیاء علیہم السلام طوفان بے تمیزی کے زمانوں میں بُت پرستی کو روکنے کیوں تشریف لائے تھے؟ حضرت نوح علیہ السلام بنص قرآنی ساڑھے نو سو برس تک اسی دُھن میں لگے رہے اور کبھی یہ خیال نہ فرمایا۔ نہ من جانب اللہ ان کو حکم ہوا کہ تم ایسی چیز کی طرف کیوں بلاتے ہو جس سے وہ کوسوں دور نکل گئے ہیں۔ کفار کے نہ ماننے سے یہ نہ ہوا کہ اس کلمۂ توحید ہی میں تخفیف و رعایت ہو جاتی بلکہ منکرین کو عذاب طوفان میں مبتلا کیا گیا۔ قرآن مجید کے صاف الفاظ میں یہ قصہ مذکور ہے۔ پھر اس وقت میں اگر ایسی ہی بے تمیزی عام ہو جاوے تو کیا علماء کو واجب یا جائز ہوگا کہ احکام میں تحریف کر دیں؟ یا برابر اظہار حق کئے جاویں۔

جواب شبہ ۷

اور یہ جو لکھا ہے کہ

"جو باتیں ہمارے علمائے دین تعلیم کرتے ہیں۔ زمانۂ موجودہ کی موافق ذلت اور خواری کے سوا کچھ نظر نہیں آتا الخ"

اس کی نسبت اس قدر کہنا کافی ہے کہ جو کچھ وہ تعلیم کرتے ہیں آیا موافق وحی کے تعلیم کرتے ہیں یا اپنی رائے سے؟ اگر کہا جاوے کہ اپنی رائے سے کرتے ہیں تو محض غلط ہے۔ اسواسطے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ برابر دعوے کے لئے آیت و حدیث پیش کرتے ہیں۔ پھر ہم کس طرح کہیں کہ اپنی رائے سے تعلیم کرتے ہیں۔ لامحالہ قائل ہونا پڑیگا کہ وہ تعلیم موافق وحی کے ہے۔ پھر یہ اعتراض کس پر ہوا؟ نعوذ باللہ یہ تو حضرت حق

لہ اگر کوئی شخص دہلی جانا چاہتا ہو اور غلطی سے کلکتہ کی راہ ہو لے جب دہلی سے سینکڑوں میل کا بُعد ہو جاوے کوئی شخص اس کو تنبیہ کرے کہ دہلی کا راستہ یہ نہیں ہے تو کیا کوئی شخص اس مشورہ دینے میں حق پر سمجھا جاویگا کہ اب تجھ دہلی سے بہت دور ہو گیا ہے اس طرف مت بلاؤ کلکتہ کا نام دہلی رکھکر اس ہی میں جانے دو ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

جلالت عظمتہ پر اعتراض ٹھیرا کہ ایسے احکام کیوں مقرر کئے جو اس زمانہ میں موجبِ ذلت ہیں۔ پھر اس اعتراض کا جواب تو صرف علماء کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔

اَب اس کی اصلی وجہ سننا چاہیے کہ اتباعِ احکام سے اگر کسی وقت میں ذلت وخواری ہو تو آیا اُن احکام میں کوئی فتور ہے یا کسی مخلوق کا قصور ہے؟ اس کے دریافت ہو جانے سے ہزاروں شبہات بلکہ تمام شبہات مٹ جاویں گے۔ اول عزت وذلت عند الخلق کی حقیقت سمجھنا ضرور ہے۔ یہ دونوں صفتیں موجوداتِ حقیقیہ میں سے نہیں۔ بلکہ موجوداتِ اضافیہ میں سے ہیں۔ یعنی خلق کے علم و اعتقاد میں کسی کی حالت کا عظیم ہونا یہ اُس صاحبِ حالت کی عزت ہے۔ اور کسی حالت کا حقیر ہونا یہ اُس صاحب حالت کی ذلت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ صفتیں اعتقاد و زعم خلق کے تابع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص برہنہ میلا کچیلا ایک معتقد کی نظر میں بہت بڑا ہے۔ اور دوسرے کی نظر میں محض رسوا وخوار ہے۔ جب یہ بات معلوم ہو چکی تو اب سمجھو کہ اسلامی حالت بھی موجب اعزاز اُس شخص کی نظر میں ہو سکتی ہے جو احکام اسلام کو نظرِ عظمت سے دیکھتا ہو۔ بخلاف اُس شخص کے جو خود اُسکو ہی ایک امرِ لغو وبیکار سمجھتا ہو۔ اُس کی نظر میں وہی امر جو موجب عزت تھا موجب ذلت ہوگا۔ تو اس میں احکام کا کیا قصور ہوا؟ غلط بینی اس شخص کی ہوئی جو اپنے عقیدہ میں اسکو موجب حقارت سمجھتا ہے۔

اَب انصاف کرنا چاہیے کہ اگر کسی کا اعتقاد یقیناً غلط ہو اور وہ اسلئے اتباعِ احکام کو موجب ذلت سمجھتا ہے تو کیا اُس کے اعتقادِ غلط کا اتباع کر کے اُس امر کو چھوڑ دیا جاوے گا۔ یا خود اُس شخص کو غلط کار سمجھ کر اُس امرِ حق پر استقامت واستقلال سے قائم رہا جاوے گا۔

مثلاً اگر ایک شخص نے رشوت کو بُرا سمجھا اور سود کو بُرا سمجھا ناجائز نوکری کو بُرا سمجھا۔ اور گھاس کھود کر اپنا پیٹ پالا۔ اُس نے عقل کی رو سے کیا بُرائی کی؟ پھر اس حالت کو حقیر سمجھنے سے کیا اُس کو حق تعالیٰ کی مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کی نظر میں ذلیل بنجانا چاہیے۔

اندلس میں ایک زمانہ گذرا ہے کہ خود مسلمان رہنا ذلت کی بات تھی اور بدون عیسائیت کے ہرگز آبرو وجان محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔ تو اب اس مقدمۂ خاص میں کیا اُن لوگوں پر الزام ہوگا جنھوں نے اسلام پر قائم رہ کر آبرو اور مال وجان سب قربان کر دی۔ یا اُن ظالموں کا قصور قرار دیا جاویگا جنھوں نے اس عزیز حالت کو موجبِ ذلت وغضب قرار دیا؟ کیا حضرات انبیاء علیہم السلام کی

ساتھ کفار نے کوئی دقیقہ نعوذ باللہ ایذا اور اہانت کا اُٹھا رکھا؟ کیا کھلم کھلا گالیاں نہیں دیں؟ کیا اُن کو سنگسار نہیں کیا۔ پھر اُنھوں نے اِن ہی بہشت اور حوروں کی توقع میں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی تحصیل کے لئے کیوں اس ذلت و اذیت کو گوارا کیا؟ افسوس ایسی موٹی بات میں فہیم لوگ غور نہیں کرتے۔ اور اگر "قلتِ مال" کا نام ذلت ہے تو چاہئے دنیا میں چور و قزاق جو بڑے مالدار ہیں نہایت معزز قرار دئیے جاویں اور ان حلال ذرائع کی نسبت جن میں آمدنی بالکل محدود ہے اس چوری و قزاقی کو ترجیح دیجاوے چوری و قزاقی اسی لئے موجب ذلت ہے کہ قانونی جرم ہے۔ پھر اگر قانون الٰہی کے اعتبار سے کوئی چیز جرم ہو تو اُس کو کیوں موجب اعزاز قرار دیا جاتا ہے؟ اچھا! اگر مان لو کہ اعزاز بھی ہوا۔ لیکن بعد مرگ جب کشاکشی ہوگی تو کیا یہ دلائل اس وقت مقبول و مسموع ہوں گے؟ بس بات یہ ہے کہ کسی کو یہاں ذلت وہاں عزت، کسی کو یہاں عزت وہاں ذلت۔ اب اس میں ہر معتقد آخرت فیصلہ کر کے ترجیح دے سکتا ہے۔

جوابِ شبہ ۵ اور یہ کہنا کہ "جس طریقہ سے علماء بتلاتے ہیں دنیا بقدر ضرورت بھی حاصل نہیں ہوتی" بالکل غلط ہے اور اُس کے ثبوت کیلئے جو مثال فرض کی ہے کہ "ایک شخص کو عالم بنایا اب وہ کیا کرے الخ" سو اول تو یہ کہتا کون ہے کہ ہر شخص عالم اصطلاحی بنایا جاوے۔ اہل تحقیق تو یوں کہتے ہیں کہ جس شخص کو اطمینانِ قلب میسر ہو خواہ کسی ذریعۂ ظاہری سے، خواہ قوۃ توکل سے۔ وہ علم دین میں تکمیل کرے اور عمر بھر خدمت دین میں مصروف رہے۔ اُسکے حق میں تو یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ کیا کرے؟ رہ گئے بے اطمینان و حریص و طماع لوگ اُن کو چاہئے کہ بقدر ضرورۃ احکام دینیہ یاد کر کے اپنی معاش میں مشغول ہوں اور وقتاً فوقتاً اہل علم سے اپنے واقعات و ضروریات کے متعلق تحقیق و تفتیش کرتے رہیں۔ اُن کے حق میں یہ سوال معقول ہے کہ کونسا کام کریں سو یہ تو دل کھول کر بآواز بلند کہا جاوے گا کہ حرام کام نہ کریں۔ پھر مباح کام میں لوہار و بڑھئی اور تار برقی اور ریل سب کام برابر ہیں۔ اس کو کس نے منع کیا ہے۔ اگر کوئی شخص ان صنائع کی تعلیم کا اہتمام کرے بڑی خوشی کی بات ہے۔ مگر ان سب کاموں کے لئے چاہئے روپیہ۔ جو اصلاح چاہتے ہیں وہ بے زر ہیں۔ جو زردار ہیں اُن کو بجز اس کے کہ "مسلمانوں کو وحشی اور بدتہذیب بتلائیں۔ اور اُن کی وحشت اور بدتہذیبی کا علاج دہریت کو بتلائیں" اور کچھ آتا نہیں۔ خیر بہر حال خواہ اس کا اہتمام کیا جاوے یا نہ کیا جاوے یہ خلاف شرع کسی کے نزدیک نہیں۔

(باقی آئندہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نورِ ایمان

(از رشحاتِ قلم جناب مولانا محمد بدر عالم صاحب مدظلہم)

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ○

زمیندار کی ایک تازہ اشاعت میں مرزا محمود صاحب قادیانی کا مضمون "ندائے ایمان" کے عنوان سے شائع ہوا ہے جسے دیکھکر مجھے اُن کے فلسفہ توہین و عظمت رسول پر حیرت ہوتی ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ انتہائی جذبۂ عقیدت و مودت میں حیاتِ مسیح علیہ السلام جیسے مسلّم و محکم عقیدہ کو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور ہتک عزت کا موجب سمجھتے ہیں اور دوسری طرف نہایت بیباکانہ و سفاکانہ لہجہ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مخلص اور سچے جاں نثار کو کافر جہنمی قرار دیتے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا جذبۂ محبت ظاہر کرنیوالا نبوت محمدی کے تسلیم کر لینے والے کو کسی جدید نبوت کے انکار سے کیسے کافر کہسکتا ہے حالانکہ حیاتِ مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سے دور کا بھی کوئی علاقہ نظر نہیں آتا۔ ہزاروں انبیا لاکھوں صلحاء گذر گئے لیکن کیا موجودہ زندہ رہنے والے انسانوں کو اُن پر اسلئے کوئی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے کہ یہ زندہ ہیں اور وہ وفات شدہ۔ اسلئے ہم یہ رائے قائم کر لینے پر مجبور ہیں کہ آپکے نزدیک معیارِ توہین و عظمت صرف یہ ہے کہ جس طریق سے مسیحیت جدیدہ کا راستہ صاف ہو وہ عظمت ہے اور جس مسئلہ سے اس راستہ میں کوئی ادنیٰ رُکاوٹ پیش آئے وہ توہین اور ہتک عزت ہے۔ حیاتِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ بھی چونکہ نہ صرف مرزا غلام احمد صاحب کی مسیحیت بلکہ اس قسم کے ہر کاذب مدعی کے لئے سدِّ راہ ہے لہذا ضروری ہے کہ اسے آپ بھی ایک رُکاوٹ سمجھکر موجب توہین قرار دیں اور اسی لئے ایسے مدعیوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ پہلے اسی مسئلہ سے لوگوں میں تنفر پیدا کریں۔ تاکہ اپنی مسیحیت کی بنیاد قائم کرنے کے لئے اُن کا دوسرا قدم ناکام نرہے اسی لئے شریعتِ مصطفویہ نے پہلا بند اُسی دروازہ پر قائم کیا ہے جہاں سے مدعیانِ مسیحیت کاذبہ کی آمد کا سب سے اول خطرہ تھا۔ اور وہ یہی مسئلہ حیاتِ مسیح ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق کی ایک

کڑی دوسری کڑی سے ملی ہوئی ہے۔ اور اسیطرح ایک باطل دوسرے باطل سے وابستہ ہے۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔ وفی حدیث انس عند الترمذی ثم قال یا بنی وذلک من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی۔

حیات مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کے بعد حق کی دوسری کڑی مدعیان مسیحیت کاذبہ کی تکذیب ہے۔ ختم نبوت کا اعتقاد راسخ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ان کے جلال کا تسلیم کرنا ہے۔ قرآن شریف کے آیات اور احادیث کے ایک ذخیرہ پر خدا اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق ایمان لانا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف وفات مسیح کے مان لینے کے بعد دوسرا باطل جو ہمارے سامنے ہے وہ مدعیان مسیحیت و نبوت کی ایک قطار ہے۔ قصر ختم نبوت کا ہدم ہے۔ مسیح برحق کا انکار ہے۔ قرآن شریف کے نصوص صریحہ سے رُوگردانی ہے۔ اور سب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس پُر عظمت جلال کا انکار ہے جو آخری زمانہ میں عالم آشکارا ہونیوالا ہے اور جس کے ساتھ اتحاد ملل و مذاہب؛ البتہ اور وحدۃ دین موعود ہے۔ قال تعالیٰ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ الآیۃ

اس کے بعد آپ غالباً بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدہا پیشگوئیوں میں سے مسیح علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئی کو تقریباً (۷۰) احادیث میں کیوں مکرر سہ کرر بیان کیا گیا ہے حالانکہ اس کی حیثیت ایک پیشگوئی ہونیکے سوا اور کیا ہے۔ پھر پیشگوئی ایک ہی نہیں اور بھی بہت تھیں۔ اسی کو کیا اختصاص تھا کہ اس کثرت کے ساتھ اسکو بیان کیا گیا؟ اور اس کے بالمقابل مدعیان مسیحیت کو آخر اسی مخصوص مسئلہ سے چڑ کیوں ہے؟ اور کیوں زبردستی کبھی توہین کی دھمکی دیکر کبھی عقل کے خلاف ٹھیرا کر اور کبھی قرآن و حدیث کے مخالف قرار دیکر اور کبھی عیسائیوں کی موافقت سے ڈراکر اس مسئلہ سے متنفر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے؟

افسوس نہ تھا اگر اس اہم مسئلہ توہین و عظمت رسول میں اس سیاسی دلسوزی کے ساتھ علمیت کا بھی کچھ رنگ ہوتا کہ جواب دینے کیلئے ہم جیسے غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابھی ہزاروں زندہ موجود ہیں لیکن افسوس تو یہ ہے کہ جن اُمور سے اس عقیدۂ اہم و مہم کو توہین قرار دیا گیا ہے وہ ایک احمق سے احمق کیلئے بھی قابل تمسخر ہے مثلاً یہ کہنا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس قدر طویل العمر اور زندہ سمجھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ٹھیرانا ہے یہ ٹھیک ایسا ہی استدلال ہے جیسا کہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحبزادہ

ابراہیم (علیہ السلام) کو حالت رضاعت میں وفات شدہ ماننا ۔ اور مرزا غلام احمد صاحب کے صاحبزادہ کو بائیں ریش و فش جیتا جاگتا تسلیم کرنا آپ کی توہین کرنا ہے ۔ کیا اگر کوئی دوسرا پولیٹیکل مبلغ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے فرزند اور آپ کی اس پیری کا مقابلہ کرکے یہ کہنے لگے کہ مسلمانو! کیا غضب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند کو تو زمانۂ طفولیت سے بھی گذرنے نہیں دیتے اور مرزا غلام احمد صاحب کے بیٹے کو زندہ مان کر بڑھاپے کی عمر تک پہونچاتے ہو اور حضور کی سخت توہین کرتے ہو تو کیا وہ آپ کی وفات عین حالت حیات میں ثابت کرنے میں مجبور نہیں ہے ۔ یا صرف لفظ سے فرق ہے کہ آپ سرزمین پنجاب میں زندہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر ، آپ زندہ اور وہ وفات شدہ تسلیم کئے جا سکتے ہیں ۔ آپکو یقین کر لینا چاہئے کہ مدنی نبی کے ماننے والے اُس کے فرمان چشم دید حالات سے زیادہ یقین رکھتے ہیں اور جہاں شریعت کی اطلاع پر لاتعد ولاتحصیٰ ملائکہ کو سمٰوٰت پر زندہ تسلیم کر چکے ہیں اُس کے ساتھ ایک عیسٰے علیہ السلام کو بھی بلا شبہ وریب زندہ تسلیم کرتے ہیں ۔ عجب نہیں کہ قدرت کے ہاتھ نے اسی لئے انہیں آسمانوں پر اُٹھایا ہو تاکہ آسمان پر رہکر اُن کے حیات میں کوئی استبعاد نہ رہے ۔ کیونکہ جس ملک کی عمر نا قابل محدود ہو وہاں کسی کا برائے چندے زندہ رہنا کیا بعید ہے ۔ اگر نوح علیہ السلام اسی زمین پر رہکر ہزار برس زندہ رہ سکتے ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر کیوں اس قدر یا اس سے زیادہ زندگی نہیں گذار سکتے حالانکہ وہ تو اُن کا مستقر ہے جنہیں قیامت سے قبل موت نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب اُن کا زمانۂ وفات قریب ہوگا تو پھر اسی زمین پر آنا مقدر ہے تا معلوم ہو جائے کہ آسمانوں پر موت نہیں ہے ۔ پھر کس قدر بے علمی ہے کہ جس صورت کو دست قدرت نے اس استبعاد کے دور کرنے کیلئے اختیار کیا ۔ اُسے ہی کم فہموں نے اور زیادہ استعجاب کا موجب بنالیا ۔ سچ ہے وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ٥

ہاں مرزا صاحب کو دھوکا لگ رہا !! اس وقت قرین قیاس تھا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آسمانوں میں مانکر وفات شدہ تسلیم کیا جاتا ۔ مگر میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ آسمان ہرگز نبیوں کے مستقل طور پر رہنے کا مقام نہیں ہے ۔ اور نہ انبیاء کا آسمانوں پر رہنا کوئی موجب افضلیت ہے

رُسل اور سید الرُسل کیلئے زمین کیوں منتخب ہوئی

حق تعالیٰ کی مشیت ازلی نے جب چاہا کہ اپنا کوئی خلیفہ بنائے اُس وقت یہ آسمان بھی موجود تھے اور زمین بھی۔ لیکن صاف اعلان کر دیا کہ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ یعنی فرشتے میرے آسمانوں پر ہیں لیکن میرا خلیفہ میری زمین پر ہوگا اور یہ اسلئے مقدر ہوا کہ آسمان بالاصالۃ یعنی بلاواسطہ قدرت کی کارفرمائیوں کے مظہر ہیں۔ اسلئے جہاں اصل کا ظہور ہو۔ وہاں خلیفہ کا کیا کام؟ زمین ہی وہ ٹکڑا تھا جہاں یدِ قدرت نے آدم علیہ السلام کی طاقت ظاہر فرماکر اپنی قدرت کاملہ کو اسباب کے پردہ میں مستور کر دیا لہٰذا ضرور ہوا کہ خلافت زمین پر ہی عیاں ہوتی ورنہ جس طرح سموات اسباب سے بالاتر اور بالاتر کارخانہ پر مشتمل ہیں اسی طرح یہ زمین بھی براہ راست یدِ قدرت کے تحت میں ہوتی۔ اور جس طرح آسمانوں پر خدا تعالیٰ کے نہ معصیت کرنے والے ملائکہ آباد ہیں اسی طرح زمین پر وہ بندے آباد ہوتے جنہیں سوائے طاعت کے کچھ کام نہ ہوتا اور يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ کا مصداق ہوتے۔ اور اس طرح اسباب و مسببات کا سارا کارخانہ درہم و برہم ہو جاتا۔ جنت و دوزخ کی حاجت نہ رہتی اور عالم کی پیدائش سے جو مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا۔

لیکن جب حکمت ایزدی اور مربی لم یزل نے غائب بنکر اپنی عبادت چاہی تو خلیفہ کے لئے اس زمین کو مخصوص کر دیا۔ اور غائبانہ اپنے خلیفہ پر اوامر و نواہی اُتارے تاکہ دیکھے کہ اگر ملائکہ مشاہدۂ عبادت کرتے ہیں تو کیا کوئی بن دیکھے بھی عبادت کر سکتا ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرُ ۨ الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔

اسی لئے بالآخر مسجود ملائکہ کو خدا تعالیٰ کی جنت چھوڑ کر مسندِ خلافت پر جلوہ آرا ہونے کیلئے اسی زمین پر آنا پڑا۔ پھر پہلے خلیفہ کے بعد دوسرے ہادیوں کے لئے بھی خدا کی یہی زمین زیادہ موزوں تھی یا وہ آسمان جہاں ایسی مخلوق بستی ہے کہ جو بلاواسطہ احکام سنتی اور بلا فترہ عبادت میں مشغول ہے۔ نہ وہ کسی رسول کی وحی کی محتاج ہے نہ کسی ہادی کی ہدایت کی۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام اگر کسی مصلحت آلٰہیہ کے ماتحت آسمانوں پر تشریف فرما ہیں تو اس وجہ سے سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو سکتے ہیں۔؟

ملائکۃ اللہ جنہیں ابتداءً خلافت کی مصلحت معلوم نہ ہونیکی وجہ سے جب کچھ تردد لاحق ہوتا ہے تو اتنا ہی کہتے ہیں کہ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ یعنی اے اللہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ اگر آسمانوں پر رہنا بھی کسی فضل کا موجب تھا تو اُن کا اولین حق تھا کہ اس کے ساتھ ہی وَنَسْتَقِرُّ فِي سَمَائِكَ بھی کہتے یعنی اور ہم تیرے آسمانوں میں رہتے ہیں۔

لیکن جب خود اس مکان کے ساکن محض کسی مکان کی سکونت کو موجب فضل نہیں سمجھتے تو پھر زمین والوں کو کیا حق پہونچتا ہے کہ وہ اسے اتنا بڑھائیں جتنا کہ اُنہیں حق نہیں تسبیح و تقدیس گو بظاہر ایک بڑے فضل کی شے ہے۔ لیکن بارگاہ صمدیت میں جسے ہر کسی کی تسبیح و تقدیس سے بے نیازی حاصل ہے اس کو بھی کسی خاص فضل کا موجب نہ سمجھا گیا اور صاف جواب مل گیا کہ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ یعنی جہات فضیلت تمہاری پرواز سے باہر ہیں۔ کسی کا آسمان و زمین پر رہنا تو درکنار تسبیح و تقدیس بھی موجب افضلیت نہیں ہو سکتیں بلکہ اُس کا ایک ہی سبب ہے اور وہ اسکی ذات قدسی صفات کا اصطفاء و اجتباء ہے۔ اور وہ اُسکے ہاتھ میں ہے جسے کوئی بشر اپنی فطری یا کسبی طاقت سے حاصل نہیں کر سکتا۔ اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔ ظاہر ہے کہ ایک وئیسرائے ہندوستان میں رہکر شاہِ انگلستان کے نزدیک وہ رتبہ رکھ سکتا ہے جو ایک کمشنر اسکی محفل بلکہ اس کے محل میں رہکر بھی حاصل نہیں کر سکتا پھر یہاں اور وہاں کا فرق فضول ہے ؏ صدر ہر جا کہ نشیند صدر است

افضل البشر کی عظمت میں کسی کا کیا منہ ہے کہ ہم سے گوئے سبقت لیجائے ایک وہ ہیں جن کے خیال میں حضرت مسیح علیہ السلام برائے چندے آسمان پر رہکر افضل بن سکتے ہیں اور ہم وہ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ واللہ وہ سرزمین جس پر سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم پڑتے ہیں اُس آسمان سے ہزار درجہ افضل ہے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کیساتھ اُس کے غیر متناہی فرشتے بھی آباد ہیں۔

ایک وہ ہیں جو مکین کو مکان کی وجہ سے شرف دیتے ہیں اور ہم وہ ہیں جو مکان کو مکین کی وجہ سے شرف سمجھتے ہیں قال تعالیٰ لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ وَأَنتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اس شہر مکہ کی قسم اسلئے کھاتا ہوں کہ تو اس میں رہتا ہے پھر جسکے وجود سے ام القری مکہ کو شرف حاصل ہو سکتا ہے وہ آسمان پر جاتیکا کیا رشک کرتا بلکہ آسمان خود اس زمین پر رشک کرتا ہے جہاں اُسکے قدم پڑتے ہیں ؎

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود　　سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

اب تو آپ نے انصاف فرما لیا ہو گا کہ ہم غلامانِ محمدؐ اس عقیدہ کے ماتحت خاتم النبیین کی توہین کرتے ہیں (والعیاذ باللہ) یا تعظیم۔ اور آئیے میں آپکو بتلاؤں کہ آپ مدنی نبوت کے بالمقابل قادیانی نبوت کا جھنڈا گاڑ کر ایسی کھلی توہین کر رہے ہیں جس سے قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے اور زمین پاش پاش ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں۔

ختمِ نبوت کے بعد کسی نبوت جدیدہ کا تسلیم کرنا سخت توہین ہے

خدائے تعالیٰ نے دنیا میں بہت سے رسول بھیجے اور یقیناً ہر رسول اپنے اپنے زمانہ کے لئے ایک نور تھا اور ایک شمع تھی جس کے اُجالے میں آنکھ بند کر کے خدائے قدوس تک رسائی ممکن تھی۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آدم علیہ السلام کی نبوت کا ماننے والا اگر نوح علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کے لئے سوائے جہنم کے کہیں مفر نہیں۔ یہ اسلئے نہیں کہ نبوت آدم علیہ السلام میں کوئی نقصان تھا۔ والعیاذ باللہ بلکہ اس لئے کہ نبی وقت کی اس میں توہین ہے۔ یہی سلسلہ چل کر ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام تک پہنچا اور یہ ہر دو نبی بھی اپنے زمانہ میں آفتاب و ماہتاب بنکر چکے لیکن آخر کار عیسےٰ علیہ السلام کے دورِ نبوت میں ان پر ایمان رکھنا بھی نجات کیلئے کافی نہوا اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا بھی ضروری ٹھہرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ گذشتہ زمانہ میں ایک شخص پہنے نبی پر ایمان لا کر بھی خدائے تعالےٰ کے نزدیک نامقبول ٹھہر سکتا ہے اگر وہ آیندہ نبی پر ایمان نہیں لاتا۔ اسلئے اگر ہمارے آقا و مولا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی سلسلہ کے ماتحت اول یا وسط میں مبعوث ہوتے تو ضرور آپ پر ایمان لانا بھی کسی زمانہ میں اسی طرح ناکافی ہو جاتا۔ اور جس طرح کہ ایک شریعت موسویہ کا عامل عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانیکی وجہ سے جنت اور رضائے حق سے محروم ہو کر ابدالآباد کے لئے جہنمی ہو سکتا۔ اسی طرح محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لا کر بعد کے نبی پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے جہنمی ہو سکتا تھا۔ لیکن رحمت حق نے اپنے محبوب کو ایک خاص بزرگی سے نوازا اور چاہا کہ اب آیندہ اس رحمۃ للعالمین پر ایمان لانے والا اس خطرہ سے مامون ہو جائے۔ اور جس طرح اس کے زمانہ میں ایمان کا مدار اسی کی ذات پر تھا اُسی طرح خدا تعالیٰ کی رحمت آیندہ بھی

کی طاقت و شوکت اور اس کے خصائص سے عالم پاک ہوگا۔ صلیب توڑ دی جائیگی کہ پھر نہ گرجا نظر آئیگا نہ اس پر صلیب لٹکے گی، خنزیر قتل کر دیئے جائینگے اور دنیا بعد فساد کے پھر امن کی طرف لوٹے گی۔ لیکن اس کے برخلاف اگر آپ کے عقیدہ کے مطابق مسیح سولی چڑھا دیا گیا اور پھر نہ معلوم کہاں چلا گیا، کون ہے جو عیسائیوں کو کفارہ کے عقیدہ سے روک سکے۔ کون ہے جو اُن کے شعائر کو پست کر دے اور کون ہے جو عیسائیت کا بیج خدا کی زمین سے نابود کر دے۔ کیا وہ مرزا غلام احمد یا اُن کے صاحبزادے جنہیں ہمیشہ عیسائیوں اور اس کی سلطنت کے مناقب کے سوا کچھ کام نہ تھا۔ کیا وہ جن کے نزدیک ہندوستان مکہ اور مدینہ سے زیادہ پیارا ہے۔ کیا وہ جن کا خدا خود اُن سے غلط انگریزی میں باتیں کیا کرتا تھا۔

اب مرزا محمود صاحب انصاف کریں کہ ایک طرف حیات عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے اُن کا نازک دل بیٹھا جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ خدا تعالیٰ کے اس امتیاز کلی کو مٹانا چاہتا ہے کہ اب اس خاتم الرسل پر ایمان لانا نجات کیلئے کافی نہ ہے۔ جنت اور رضائے ایزدی اس کے توسط کے بجائے مرزا غلام احمد کے توسط سے ملے گی۔ خدا تعالیٰ کا کوئی رسول اس کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے نہ اُترے اور اُسکے ماء صفی کو چھوڑ کر دنیا مرزا صاحب کے گھاٹ سے سیراب ہو ؎

تَلکَ رَمَاءُ السّدا لقین وَعیننا ۔۔۔ الیٰ اٰخرِ الایامِ لا تتکدر

مسئلہ ختم نبوت ایک فسانہ سمجھا جائے اور اس طرح عظمت کے دعوے میں اہانت اور ایمان کی ندا میں کفر کی دعوت دی جائے۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ آپ ان عقائد فاسدہ سے توبہ کریں اور ایک ایسی نبوت تامہ و عامہ کے نیچے آجائیں جس کے بعد ہر نبوۃ سے بے نیازی اور ہر وحی سے استغناء ہے ؎

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد ۔۔۔ برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

قسط دوم

معجزات ختم المرسلین

(از حضرت مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور)

(۹)

حضرت آدمؑ[۵۱] جب زمیں پر آگئے — اور تنہائی سے کچھ گھبرا گئے
آئے جبریلؑ اور پڑھی آکر اذاں — جس میں تھا نام محمدؐ کا بیاں
آپ نے پوچھا تو پھر یہ عرض کی — آپ کے بیٹے نبی آخری

اے الٰہ العالمیں ہوں صبح و شام
ان پہ لاکھوں رحمتیں لاکھوں سلام

(۱۰)

حضرت ابراہیمؑ[۵۲] کو تھا حکم رب — ہاجرہ کو لیکے نکلیں گھر سے اب
جب نظر آتی کوئی اچھی زمیں — آپ کہتے کیا اترنا ہے یہیں
کہتے جبریلؑ آپ سے آگے چلو — اور ابھی عزم سفر سے کام لو
آگیا جب مکہ بولے جبرئیلؑ — بس اترنا ہے یہاں حق کے خلیلؑ
آپ بولے کیا جہاں کھیتی نہیں — جانور بھی دودھ کا کوئی نہیں
بولے بیشک ہے یہیں کرنا نزول — اک نبی امی یہاں ہونگے رسولؐ
آپ کی اولاد سے وہ باکمال — جن سے عالی ہوگا دینِ لازوال

اے الٰہ العالمیں ہوں صبح و شام
ان پہ لاکھوں رحمتیں لاکھوں سلام

(۱۱)

کعبہ[۵۳] کی تعمیر کا تھا سلسلہ — حضرت ابراہیمؑ نے مانگی دعا
اک ندا آئی دعا ہے یہ قبول — سب کے آخر میں وہی ہونگے رسول

۵۱ رواہ ابونعیم وابن عساکر ۵۲ رواہ ابن سعد ۵۳ رواہ ابن جریر وابن سعد

لے آلہ العالمیں ہوں صبح و شام
ان پہ لاکھوں رحمتیں لاکھوں سلام

(۱۲)

اک صحیفہ حضرت ابراہیمؑ کا / اس میں تھا اس طرح سے لکھا ہوا
آپ کی اولاد پھیلے گی بہت / کنبے کنبے اور قبیلے بھی بہت
ہے یہاں تک ان کا قائم سلسلہ / اک نبی اُمی ہیں ختم الانبیاء

لے آلہ العالمیں ہوں صبح و شام
ان پہ لاکھوں رحمتیں لاکھوں سلام

(۱۳)

ہاجرہؑ اک روز جب باہر چلیں / ساتھ اسمٰعیلؑ کو بھی لے گئیں
غیب سے اک آدمی ظاہر ہوا / اور بیٹے کے لئے کہنے لگا
ہاجرہ بیٹا ہے یہ اک ہونہار / ہو گی اولاد اسکے بیحد بے شمار
یعنی ہے اولاد در اولاد بھی / ہونگے کنبے کنبے وہ آباد بھی
ہونگے ان میں اک نبی اُمی لقبؐ / ختم ہے جن پر نبوت سب کی سب
جن کا مولد ہے یہی ارضِ حرم / ہونگے بس وہ محترم در محترم

لے آلہ العالمیں ہوں صبح و شام
ان پہ لاکھوں رحمتیں لاکھوں سلام

(۱۴)

وحی آئی حضرتِ یعقوبؑ پر / حضرتِ یوسفؑ کے بھی جو ہیں پدر
آپ کی اولاد میں ہیں انبیا / اور ہیں کچھ کچھ ملوک باصفا
پھر حرم والے نبی بھیجوں گا میں / جو اسی اولاد میں سے ایک ہیں
نام ان کا احمدؐ مرسل ہوا / سارے نبیوں کے ہیں ختم الانبیا

اے آلہ العالمیں ہوں صبح و شام
ان پہ لاکھوں رحمتیں لاکھوں سلام

(۱۵)

ابن عدنان[۵۴] اک عرب نامی معد
جب ہوا چالیس[۵۴] بیٹوں کا عدد

لشکرِ موسیٰؑ پہ جا حملہ کیا
لوٹ کر سب مال و دولت لیگیا

حضرتِ موسیٰؑ کا قصدِ عرض تھا
وحی آئی ان کو مت دو بد دعا

کیونکہ ان سے اک نبی اُمی بھی ہیں
جو بشیر و منذر قومی بھی ہیں

اور اُنہی سے امتِ مرحوم ہے
جو محمدؐ کے لئے مقسوم ہے

ایسی ایسی جمع ہیں جن میں صفات
پاک امت اور نبی پاک ذاتؐ

اے آلہ العالمیں ہوں صبح و شام
ان پہ لاکھوں رحمتیں لاکھوں سلام

(۱۶)

حضرتِ موسیٰ[۵۵] نے جب توراۃ میں
امتِ احمدؐ کی دیکھیں حالتیں

کی دعا یارب یہ اُمت ہو مری
تھا جواب امت یہ احمدؐ کی بنی

پھر تمنا کی کہ اے ربِ غفور
مجکو ان کا امتی کردے ضرور

آئی آواز اب رسول اللہ ہو
تم نبی ہو اور کلیم اللہ ہو

تم کو راضی اس پہ رہنا چاہئے
ایسی نعمت ہے تو اب کیا چاہئے

اے آلہ العالمیں ہوں صبح و شام
ان پہ لاکھوں رحمتیں لاکھوں سلام

(۱۷)

اشعیا[۵۶] پر وحی جب نازل ہوئی
اس میں تھا بھیجوں گا میں ایک نبی

جو کہ اک اُمی رسول اللہ ہے
مکہ مولد طیبہ ہجرت گاہ ہے

---

[۵۴] رواہ الطبرانی [۵۵] رواہ ابو نعیم [۵۶] رواہ ابن ابی حاتم۔

جس کی ایسی ایسی ہیں عمدہ صفات سب سے افضل سب سے بڑھکر پاک ذات

اے الٰہ العالمیں ہوں صبح وشام
ان پہ لاکھوں رحمتیں لاکھوں سلام

(۱۸)

لائے[۵۱] ایماں عالمانِ ذی شعور ماہرِ توریت و انجیل و زبور
سیکڑوں نے پھر دیا ہے یہ بیاں سب کتابوں میں ہے یہ بالکل عیاں
آئیں گے احمدؐ نبی پاک ذات جنکی ایسی ایسی ہیں ساری صفات
لائے ہم ایماں اسی کو دیکھکر سب کتابوں میں ہے جب ان کی خبر
کافروں کا بھی بہت کا ہے بیاں پر حَسَد اور بغض تھا دل میں نہاں
دوسروں سے کہتے رہتے تھے سدا خود کے ایماں سے حَسَد مانع رہا
کاہنوں کی بھی ہیں پیشیں گوئیاں سیکڑوں کرتے تھے آنے کو بیاں
نکلے کتبے تھے ہزاروں سال کے جو خبر دیتے تھے اس کل حال سے

اے الٰہ العالمیں ہوں صبح وشام
ان پہ لاکھوں رحمتیں لاکھوں سلام

(۱۹)

سرورِ[۵۲] عالمؐ کا خود ارشاد ہے جسپہ قرآں سے بھی استشہاد ہے
میرے آنیکی بشارت جسنے دی سب سے آخر ان کے ہیں عیسیٰ نبیؑ

اے الٰہ العالمیں ہوں صبح وشام
اُن پہ لاکھوں رحمتیں لاکھوں سلام

---

۵۱ رواہ البخاری وابن عساکر والدارمی وابن سعد وابو نعیم والحاکم والبیہقی وغیرہم۔ اختصار کے لئے تفصیل سے روایتیں نہیں لکھیں ورنہ یہ خود ایک مستقل کتاب بن جائے گی۔

۵۲ رواہ ابن عساکر ۱۲

(باقی آئندہ)

مختصر قواعد ماہنامہ انوار العلوم

*

(۱) رسالہ ہر انگریزی مہینہ کی دس تاریخ کو شائع ہوتا ہے ۔

(۲) جن اصحاب کے پاس ۲۰ تاریخ تک پرچہ نہ پہنچے وہ اپنے خریداری نمبر کے حوالہ سے دوبارہ رسالہ منگوا سکتے ہیں ۲۰ تاریخ کے بعد آنیوالی اطلاعات کا ادارہ ذمہ دار نہ ہو گا نیز جن خطوط پر خرید نمبر کا حوالہ نہ ہوگا ان کی بھی تعمیل نہ ہو سکیگی ۔

(۳) جملہ امور کے لئے خط و کتابت مدیر رسالہ سے کیجائے ۔

(۴) جوابی امور کیلئے ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا لازمی ہے ۔

(۵) جو صاحب منی آرڈر ارسال فرمائیں وہ کوپن پر اپنا پتہ ضرور تحریر فرمائیں ورنہ منی آرڈر کے واپس کر دینے پر ادارہ کو معذور فرمائیں ۔

(۶) انوار العلوم میں شائع شدہ مضامین نظم و نثر وغیرہ نقل کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ بعینہ نقل کئے جائیں ۔

التماس

اس دینی رسالہ کی توسیع اشاعت میں نہایت اہتمام سے کوشش کی ضرورت ہے ۔

مدیر

رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۶۶ء

نرخنامہ اشتہارات

پورا صفحہ ایک ماہ کیلئے - - ۴۰ روپیہ

آدھا صفحہ ایک ماہ کیلئے - - ۲۲ روپیہ

چوتھائی صفحہ ایک ماہ کیلئے - - ۱۲ روپیہ

ٹائٹیل کے اندرونی صفحات - - - ۵۰ روپیہ ماہوار

ٹائٹیل کا بیرونی صفحہ - - - ۶۰ روپیہ ماہوار

تین مہینہ کیلئے اشتہار دینے پر ۱۰٪ اور ۶ مہینہ کیلئے اشتہار دینے پر ۲۵ فیصدی تخفیف کیجائیگی -

مدیر

٭

مدیر ماہنامہ "انوار العلوم" جامعہ اشرفیہ

نیلا گنبد - لاہور

مولانا محمد حسن صاحب نے [illegible] عالم پریس میں چھپوا کر جامعہ اشرفیہ لاہور